جلد : 12	وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (القران)	محرم/صفر : 1440ھ
شمارہ : 10	اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر)	اکتوبر : 2018ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حِکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

- ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
- حافظ مختار احمد گوندل
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت	مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس	ثاقب نذر

قانونی مشاورت

- محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
- چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون چوبیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800 روپے	معمول کا شمارہ 50 روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

Web site:
www.hikmatbaalgha.com
www.hamditabligh.net

Email: hikmatbaalgha@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی

طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَ هَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو	3	انجینئر مختار فاروقی	6
اللہ کی ذات اور اس کی صفات و افعال ہی INFINITE ہیں	4	ڈاکٹر محمد امین	11
حکمت اقبال پر ایک عمومی نظر	5	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	21
اسلام دشمنی میں صلیبیوں کے فکری و عسکری حملے	6	رضی الدین سیّد	33
مسائلِ میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان 10	7	حافظ مختار احمد گوندل	43
علامہ اقبال کے پیغام کو عام کریں	8	محمد منظور انور	48
کامیابی کا صرف ایک راستہ	9	انجینئر رشید عمر	53
سوشل میڈیا ایمان کا دشمن ہے	10	ثاقب نذر	56
اُردو تحریک عالمی برطانیہ............مختصر روداد	11	عمیر زبیر	61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

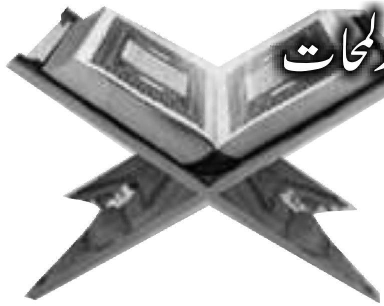

(02)
سورۃ البقرۃ

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

(آیات 17-20)

مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِى اسۡتَوۡقَدَ نَارًا

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی

فَلَمَّآ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ

جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں

تو اللہ نے اُن لوگوں کی (آنکھوں کی) روشنی زائل کر دی

وَتَرَكَهُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾

اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾

یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (اب کسی طرح

سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

یا ان کی مثال مینہ کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہا ہو اور)

فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ

اس میں اندھیرے پر اندھیرا (چھا رہا) ہو

اور (بادل) گرج (رہا) ہو اور بجلی (کوند رہی) ہو

يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِيۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ

تو یہ کانوں میں انگلیاں دے لیں کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے

وَ اللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ کافروں کو (ہر طرف سے) گھیرے ہوئے ہے

يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ

قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اُچک لے جائے

كُلَّمَاۤ اَضَاۤءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ

جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں

وَ اِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا

اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں

وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَ اَبۡصَارِهِمۡ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کانوں (کی قوتِ سماعت) اور

آنکھوں (کی قوتِ بصارت، دونوں) کو زائل کر دیتا

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۰﴾

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری　رہا صوفی گئی روشن ضمیری

خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ　نہیں ممکن امیری بے فقیری!

علامہ اقبال

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

یُوْشِكُ أَنْ یَّأْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَ هِیَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰی، عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِیْهِمْ تَعُوْدُ

(مشکوٰۃ، شعب الایمان، عن علی رضی اللہ عنہ)

قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کی صرف رسم باقی رہ جائے گی، ان کی مسجدیں پُررونق و آباد ہوں گی جبکہ وہ ہدایت سے ویران ہوں گی اور ان کے علماء آسمان کے نیچے موجود لوگوں میں سب سے بُرے ہوں گے ان ہی میں سے فتنہ نکلے گا اور ان ہی میں لوٹ آئے گا۔

حرفِ آرزو

ؔ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

پاکستان ایک اعلیٰ مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا ـــــ جو پورا ہو کر رہے گا

انجینئر مختار فاروقی

اللہ تعالیٰ کی ذات اس کائنات کا سب سے بڑا ’حق‘ اور حقیقت ہے اس نے یہ کائنات ’عبث‘ نہیں بلکہ ایک مقصد کے لیے تخلیق فرمائی۔ اس کی تخلیق ہر ذی شعور اور بے شعور انسان کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کی طرح عیاں ہے اس کائنات میں کوئی جنبش اور پتّے کا گرنا بھی اس بڑے مقصد کی طرف ہی پیش رفت کا اظہار ہے۔ بے شعور انسان تو حیوانوں کی طرح کھا پی رہے ہیں اور اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور اپنی جبلّتوں کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں اور بقول اکبر الٰہ آبادی مرحوم

ؔ کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے؟
بی اے بنے، نوکر ہوئے، پنشن ملی پھر مر گئے

یا انہی کے بقول آج کی تہذیبِ آوارہ کا شاہکار اور سیکولر ازم، لبرل ازم، ڈارونزم اور فرائڈزم کا چلتا پھرتا مجسّم نمونہ کی منظر کشی یوں بھی ہے (جس کے مظاہر پڑھے لکھے لوگوں میں مغرب میں عام ہیں (اور ہمارے ہاں ذرا کم)۔ یہ مناظر تہذیب حاضر کا CLIMAX ہیں)۔

ہوئے اس قدر مہذّب کبھی گھر کا منُہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر

.................اور لاوارث قرار دے کر بغیر جنازہ دفنا دیے گئے۔

رہے باشعور انسان اور اہل نظر، چاہے وہ پاکستان کے قیام کے مخالفین میں سے ہوں یا وہ باہمّت اور پرعزم جوانمرد لوگ جنھوں نے دامے، درمے، سخنے، قلبے و دماغے اپنی صلاحیتیں اور جسم و جان کی قوتیں پاکستان کے قیام کے لیے نثار کردیں ہیں یہ دونوں طبقات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ پاکستان کا قیام (قرآن و حدیث اور مذہبی دلائل کو اس وقت ایک طرف رکھ کر) تاریخ کے بہاؤ کا ایک بڑا EVENT تھا۔ پاکستان کے قیام کا TIME FRAME تاریخ انسانی کے بڑے واقعات کا 8/14 تھا جس کو سمجھنے میں ابھی چند عشرے انسانیت کو اور انتظار کرنا پڑے گا۔ (پاکستان 14/اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ امریکی روزانہ تاریخ ڈالتے وقت پہلے مہینہ کا ذکر کرتے ہیں اور مہینے کے دن کا بعد میں۔ 11 ستمبر 2001 کے واقعہ کو 9/11 کہتے ہیں اسی طرح پاکستان 27 رمضان المبارک شب قدر میں معرضِ شہود پر آیا لہٰذا اس دن کو 9/27 بھی کہہ سکتے ہیں)۔

تاریخ انسانی کے بہاؤ میں مغربی حالیہ تہذیب کی چھ صدیاں اس کی اُٹھان، استحکام، پھیلاؤ اور زوال کے بعد اب تباہی کی صدیاں ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کا قانون ایسا اٹل ہے کہ مسلمانوں کو بھی اس سے استثناء نہیں دیا گیا قوموں کی زندگی عام انفرادی زندگی (60-50 سال) کے برعکس چھ سات صدیاں ہوتی ہے۔ علامہ اقبال جیسا GENIUS انسان ایک صدی قبل ہی حالیہ مغربی تہذیب کا زوال دیکھ آیا تھا۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکُشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ، ناپائدار ہوگا

(شاخِ نازک: انسان فطرت کے خلاف ابلیسی عوامل کی بنیادوں پر)

آج ایک صدی بعد آج کا باشعور انسان اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ مشاہدہ کر رہا ہے اور مغرب تباہی کے انجام سے دوچار ہے۔

مغرب کے مفکرین میں برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل (1872ء-1970ء) بیسویں صدی کے وسط میں مغربی گلوبل تہذیب کے زوال اور مشرق یا مسلمانوں کے عروج کا رونا روتا نظر آتا ہے اور REAWAKENING OF EAST کے نام سے اس کا ایک سلسلۂ

مضامین تھا جو اہل علم کی نظروں سے ضرور گزرا ہوگا مغرب اسے 50-60 کی دہائیوں میں عام کررہا تھا (اور پاکستان میں بھی ایف اے کے انگریزی نصاب میں اس کا ایک حصّہ شامل تھا) کہ مشرق سے مراد چین ہے۔ مسلمانوں سے خائف مغرب مشرق سے اُبھرنے والی قوت کو چین سے موسوم کررہا ہے حالانکہ وہ طاقت مسلمان ہی ہے جو پہلے سے تقریباً پورے مڈل ایسٹ اور مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

جنوبی ایشیا میں مسلم تاریخ کے اہم واقعات کچھ یوں ہیں:

- 1602ء میں برطانیہ میں جنوبی ایشیا پر برطانوی قبضے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی بنی، جس نے پھیل کر 1803ء میں تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔
- حالیہ مغربی صہیونی منصوبوں کے عین مطابق اسی وقت جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی داغ بیل ڈالی جارہی تھی مغل بادشاہ اکبر علیہ ماعلیہ جنوبی ایشیا میں کابل سے برما تک حکمران تھا اور 1556ء میں 14 سال کی عمر میں بادشاہ بنا دیا گیا تھا (جیسے آج کل بھی مغربی عالمی صہیونی مافیا کو تیسری دنیا بالخصوص مسلمانوں اور پھر اخصّ الخواص پاکستان میں نواز شریف 30 سال کی عمر میں وزیرخزانہ اور پھر حکمران، بے نظیر تقریباً اسی عمر میں وزیراعظم پاکستان، ملالہ 20 سال کی عمر میں وزیراعظم پاکستان بننے کی خواہش منداور بلاول عمر 30 سال وزیراعظم بننے کا امیدوار) اور پھر حواریوں اور مشیروں کے مشوروں سے اس نے جدید سیکولر اور لبرل سوچ کی طرح کی سوچ کے تحت اسلام سے مرتد ہوکر ایک نیا دین ایجاد کرلیا یعنی دین الٰہی، جس میں دنیا کے تمام مذاہب کی باتیں شامل کی گئی تھیں روئے ارضی کے مسلمانوں کی ایک خوشحال عظیم سلطنت منصوبہ سازوں کے نزدیک قیصر روم کے ENBLOCK عیسائیت قبول کرنے کے واقعے کی طرح ایک بڑی اور کامیاب چال تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے منصوبوں میں حضرت محمد ﷺ کا دین (آخری دین) یوں SET ASIDE کیا جانا ممکن نہیں تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اکبر کے دماغ کو ٹھیک کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مجددین کا سلسلہ عالیہ مشرقِ وسطیٰ سے جنوبی ایشیا منتقل کردیا اور 1000ھ کے بعد کے سارے مجددین جنوبی ایشیا ہی میں آئے۔ حضرت مجدّد شیخ احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی کے نام سے اس فرعونِ وقت اکبر کے مقابلے میں آئے اور اس کے خیالات و نظریات کا راستہ روکا

اور اکبر کا نومولودُ دینِ الٰہیٰ شیر خوارگی میں ہی اکبر کے ساتھ راہیٔ ملک عدم ہوگیا (اکبر کی وفات 1605ء)۔ جہانگیر پر اکبر کے کچھ اثرات تھے جو شیخ مجدّد کی محنت سے جلد زائل ہو گئے، اس نے توبہ کی اور دوبارہ اسلام کے دامنِ رحمت میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبے کو دیکھیں کہ اسی مغل اعظم کہلانے والے اکبر کا پوتا شاہجہاں ایک اچھا مسلمان حکمران بنا اور پڑپوتے اورنگزیب عالمگیر نے تو خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی۔ بقول علامہ اقبال ع ترکش مارا خدنگ آخریں۔ اس نے 1657ء سے 1707ء پچاس سال حکومت کی اور جنوبی ایشیا کو اسلام کا گھوارا بنا دیا۔ یورپی (برطانوی وفرانسیسی) حکومتیں اس کی حکومت نہیں گرا سکیں۔ اس کے بعد مغل حکمران زوال کا شکار ہوگیا اور مغربی صہیونی سازش کے تحت (جس میں مقامی ہندو نے کلہاڑی میں دستے کی طرح کا کردار ادا کیا) 1803ء میں انگریز تختِ دہلی پر قابض ہوگیا۔

1857ء میں مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی اور جنگ آزادی شروع ہوئی مگر ناکام ہوگئی جس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی ختم ہوگئی اور جنوبی ایشیا براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت چلا گیا۔ (حال میں برطانوی ادارہ BBC سے ایک پروگرام نشر ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی 1857ء تک ہندوستان سے 3000 ارب ڈالر (2015ء کے اندازے میں) لوٹ کر برطانیہ لے گئی۔ آج کے برطانوی عوام کی چہرے کی سرخی اور ترقی اسی دولت کی مرہونِ منّت ہے)۔ 1857ء کے بعد 1860ء میں RULE OF LAW کا آغاز ہوا اور جنوبی ایشیا میں صوبے، ضلعے، تحصیلیں، تھانے، کچہریاں وجود میں آئیں پھر 1947ء میں مسلم بیداری نے برطانوی حکمرانوں کو گھر کا راستہ دکھایا اور پاکستان (مغربی اور مشرقی) معرض وجود میں آئے۔

اس پاکستان کے قیام میں شیخ مجدد الف ثانی سے لے کر 1930ء تک بے شمار اہل علم، دانشور، علماء، صوفیاء، مرد و زن، دیہاتیوں شہریوں اور عام و خاص کی قربانیوں کا حصہ ہے۔ مگر افسوس کہ اس آخری مرحلے میں استخلاصِ وطن کی جدوجہد کرنے والوں کا ایک بہت بڑا حصہ کانگریس کے ساتھ چلا گیا اور 1930ء سے لے کر 1947ء تک اس جدوجہدِ آزادی میں علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے نام سب سے نمایاں ہیں، جس کے نتیجے میں پاکستان بن گیا۔

علامہ اقبال کے نظریات پر یہ ملک بنا اور ان کے نظریات کے مطابق ہی یہ ملک مستحکم

ہوگا اور عالمی خلافت کا نقطۂ آغاز بنے گا تخلیق کائنات کے محکمات ــــ علامہ اقبال کے نزدیک قرآن حکیم کی روشنی میں چار ہیں:

1۔ خلافت آدم

2۔ حکومتِ الٰہی (حاکمیّتِ الٰہی)

3۔ اَلارض للہ

4۔ حکمت خیر کثیر است

گویا خلافت ارضی کے قیام کے لیے حکومت ناگزیر ہے اور اس کی بنیاد پر زمینی وسائل تمام انسانیت کے لیے (بلالحاظ مذہب، رنگ، نسل و زبان و علاقہ و جنس) مشترک ہیں ایسی حکومت کے حصول کے لیے علم کی دنیا میں انقلاب آنا ضروری ہے۔ توحید کے ساتھ علم کی اشاعت انسانی خلافت کو ناقابل تسخیر قوت بنا دیتی ہے۔ پاکستان علامہ اقبال کے نزدیک اسی کام کے لیے بنا اور قائداعظم کے دور میں 'پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ' کا نعرہ توحید تھا۔ پاکستان آہستہ آہستہ خواہی نخواہی اس مقصد کے طرف بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ آج دشمن پاکستان پر حاوی ہیں تاہم ہر آنے والا دن پاکستان کو اپنے مقصد قیام خلافت کے قریب کر رہا ہے۔

امید ہے کہ موجودہ حکومت پاکستان کے مقصد قیام کی طرف پیش قدمی کر کے اس کو چند قدم ضرور آگے لے جائے گی۔

مغرب نے داعش کو کھڑا کر کے علامہ اقبال کے تصورِ خلافت کو گہنا دیا ہے، حالانکہ علامہ اقبال نے دورِ غلامی میں 'طلوعِ اسلام' نظم لکھ کر مسلمانوں کی حکومت کی نوید سنائی اور اس حکومت کے لیے جوابِ شکوہ (1913ء) کے آخری بند میں عالمی اور جہانگیر خلافت کا مژدہ سنایا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مقدس مشن میں پاکستان کو اس کے مقصد قیام اور آسمانی ہدایت اور خدا کی مرضی کے مطابق ڈھال کر دکھا دیں گے۔

یَا رَبّ عَجِّلُ لَنَا ھٰذَا ۔یَا رَبّ عَجِّلُ لَنَا ھٰذَا۔ آمین۔

اللہ کی ذات اور اس کی صفات وافعال ہی INFINITE ہیں

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

GIK انسٹیٹیوٹ، ٹوپی، ضلع صوابی (KPK)

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے اس نے اس کائنات کو عدم سے وجود بخشا ہے اور تن تنہا ہی اس کو چلا رہا ہے۔ انسان نے اس زمین پر جب سے قدم رکھا ہے اپنے خالق کے عطا کردہ علم ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا﴾ (اور اللہ نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے) کی بدولت کائنات کو مسخّر کرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ علوم اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور خلّاقی شانوں ہی کو آشکار کر رہے ہیں اور انسان کو اصولی طور پر اس علم سے بطور انسان (بلالحاظ مومن و کافر) سرفراز فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ ریاضی، طبیعات، کیمیا، فلکیات، جیالوجی، جغرافیہ وغیرہ علوم انسان نے اپنی جستجو کو منظّم کرنے کے لیے ایجاد کر لیے ہیں۔ اور خدا کا نام لیے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ کائنات کے مطالعہ کا نام سائنس ہے۔ ریاضی اور طبیعات مطالعہ فطرت کے لیے لازمی ولابدی ہیں۔

ڈاکٹر محمد امین صاحب، غلام اسحاق خان انسٹیٹیوٹ صوابی میں الیکٹریکل انجینئرنگ کے شعبہ سے منسلک ہیں، ریاضی ان کا شعبہ ہے اور انھوں نے ریاضی اور APPLIED MATHEMATICS میں طویل تعلیمی اور تدریسی تجربہ کے بعد ریاضی کی اصطلاح INFINITY کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے لیے استعمال کر کے علم ریاضی کو خداشناسی کے لیے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ خالق کائنات ہی کی صفات لامحدود، ذاتی اور (حادث نہیں) قدیم ہیں۔ یہ صفات مخلوق (غیر اللہ) کے لیے کسی شکل میں ممکن نہیں ہیں۔

علامہ اقبال نے بھی اپنے انگریزی مقالات میں اعلیٰ ریاضی، اعلیٰ طبیعات اور اعلیٰ فلکیات کے علوم کو خداشناسی کے لیے انسانی استدلال کا ذریعہ بتایا ہے۔قرآن مجید میں بھی آفاقی آیات کو خالق کائنات کی نشانیاں کہا گیا ہے اور مفسّرین نے اس طرح حاصل ہونے والے ایمان کو ایمان کے اعلیٰ ترین درجہ میں شمار کیا ہے (جیسا کہ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع اور سورۂ حٰم السجدہ کی آیت 53 میں مذکور ہے)۔لہٰذا یہ مضمون بعض ضمنی تحفّظات کے باوجود قارئین کی دلچسپی کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

لفظ تَبٰرَکَ کی تشریح

لفظ تَبٰرَکَ قرآن پاک میں بہت ساری آیات میں ہے۔جیسے

1 فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ (14:23)

2 تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرًا (01:25)

3 تَبٰرَكَ الَّذِیۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ (10:25)

4 تَبٰرَكَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا (61:25)

5 تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ (01:67)................... وغیرہ

تَبٰرَکَ کا لغوی معنی

زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ برکت سے تفاعل ہے اور برکت کثرتِ خیر اور اس کی زیادتی ہے۔اس اعتبار سے اس کے دو حصے ہیں

1 اس کی خیر زیادہ اور کثیر ہوتی رہتی ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا (ابراہیم 34) کا۔

2 ہر چیز سے زیادہ ہونا اور اللہ تعالیٰ تعال ہیں اپنی ذات اور صفات اور افعال میں ہر چیز ہے اور یہی معنی ہے اللہ کے فرمان لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ (شوریٰ:۱۱)

تعالیت تمام چیزوں پر ذات کے اعتبار سے:

1 اس کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے،قدیم ہے اور فنا اور تغیر سے پاک ہے۔

2 یہ بھی ہوسکتا ہے اپنی فردانیت اور وحدانیت میں کسی ممکن الوجود کے مشابہ نہیں ہے۔

تعالیت تمام چیزوں پر (صفات کے اعتبار سے)

1 یہ ہوسکتا ہے کہ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کا علم ضروری ہو یا کسبی ہو یا تصور ہو یا تصدیقاً ہواور وہ اپنی قدرت میں کسی مادہ، مدت، مثال، غرض کا محتاج ہو۔

تعالیت ہر چیز پر (افعال میں):

یہ ہے کہ وہ پاک ہے کہ کوئی وجود، بقا، صلاح حال الوجود اس سے پہلے ہو۔

مندرجہ بالا معانی کی تائید قرآن پاک اور آیات سے بھی ہوتی ہے جیسے اِن مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ (الحجر)۔صفات کے بارے میں اور افعال کے بارے میں وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ (لقمان)۔

انفنٹی (INFINITY) کا تصوّر

اس کا تصور یونانی حکماء کے زمانے سے چلا آیا ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔امام رازی نے اپنی کتابوں میں اس کو زور وشور سے بیان فرمایا ہے۔مولانا اشرف علی نے خطبات حکیم الامت میں اور مفتی شفیع صاحب نے معارف القرآن میں لَاتُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَ هُوَ یُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ (الانعام) کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔

علماء ریاضی فرماتے ہیں انفنٹی (INFINITY) کی دو اقسام ہیں:

1 COUNTABLE 2 COUNTLESS

COUNTABLE INFINITY کسی بھی بڑے سسٹم کو کہہ سکتے ہیں جیسے پاکستان کا بجلی کا نظام، سمندر، صحرا میں ریت کے ذرّے، زمین، آسمان کے ستارے وغیرہ۔ اور COUNTLESS INFINITY میرے نزدیک اللہ کی ذات صفات اور افعال ہو سکتے ہیں اور کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہو۔اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تو اللہ کی ذات کی تمام صفات کو ریاضی کے اس اصول سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔موجودہ دور میں

INFINITY کی سرچ کرنے سے اس کی بائیس صفات ملتی ہیں جن میں سے ہر ایک اللہ کی ذاتی صفت کو ریاضی کے اصول سے ثابت ہوجاتی اور تمام مسالک باطلہ کا ردّ ریاضی کے اصول سے ہوجاتا ہے۔ جیسے اس کی جہت کو ثابت کرنے والے جبکہ INFINITY کی جہت نہیں ہوسکتی۔ مجسّمیہ جو کہ اللہ کا جسم ثابت کرتے ہیں کیونکہ جسم اگر INFINITY ہوتو کسی اور کا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی ذات کا حرکت سے پاک ہونا کیونکہ جب وہ INFINITY ہے تو حرکت کی جگہ کہاں سے آئے گی وہ مکان سے پاک ہے کیونکہ INFINITY سے بڑا کوئی ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا مکان ہوتو مکان INFINITY ہوگا۔ مندرجہ ذیل چارٹ جس میں INFINITY کی صفات ہیں، سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کو ریاضی کے اس علم سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ ماضی میں علماء اسلام اللہ تعالیٰ کی ذات کو علم الکلام سے ثابت کرتے ہیں جو کہ ایک عقلی دلائل ہوتے ہیں اور فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ (یوسف) کے اصول کے مطابق دوسرا زیادہ عقل مند پہلے کی دلیل کو توڑ دیتا ہے جیسا کہ امام رازی کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے اس علم پر بہت زور دیا اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر 100 دلائل دیے لیکن مرتے وقت شیطان نے سب دلائل توڑ دیے اور امام صاحب کو فرمانا پڑا کہ میں اللہ کو بلا دلیل مانتا ہوں (خطبات حکیم الامت)۔ اسی لئے امام صاحب اپنی آخری عمر میں اس پر افسوس کرتے تھے۔ اس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور عقائد میں علم ظنی نہیں چلتا جیسا کہ

اِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِالۡاٰخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الۡمَلٰٓئِكَةَ تَسۡمِيَةَ الۡاُنۡثٰى وَ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِنۡ يَّتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِى مِنَ الۡحَقِّ شَيۡئًا○ (النجم)

اسی طرح صوفیا کرام کشف کا سہارا لیتے تھے اور کشف سے بھی علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔

مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دعوت وعزیمت میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ اہل کشف میں سے تھے۔ وہ جب کسی جنازہ میں شامل ہوتے تو کشف ہوتا کہ مرنے والا منافق ہے اور منافق کا جنازہ منع ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ (التوبہ)۔ تو بہت علماء سے مسئلہ دریافت کیا مگر جواب نہیں ملا تو خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیرا کشف علم ظنی ہے تو حسن ظن کر کے

پڑھ لیا کر۔ ان دونوں کے مقابلے میں ریاضی کا علم یقینی ہوتا ہے یعنی 4 = 2 + 2 ہوتا ہے اس پر کوئی دوسرا قول نہیں ہوسکتا ہے تو میرا خیال ہے کہ اس سے راجح اور مرجوح کا علم بھی یقینی درجہ میں حاصل ہوسکتا ہے اور صواب اور خطا کا علم بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہاء اربعہ کے اقوال کو بھی پرکھا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ خالق کا کلام جو کہ خالق کی صفت ہے وہ INFINITY ہے اور مخلوق کا کلام اگرچہ حضرت محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں NON-INFINITY ہے اور ریاضی کا کلیہ ہے کہ INFINITY کے مقابلہ میں NON-INFINITY کالعدم ہوتا ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں درج ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں رؤف اور رحیم آتا ہے اور آپ ﷺ کے اسماء میں بھی۔ لیکن آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (التوبہ)

اس آیت میں بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ میں حصر ہے کہ آپ ﷺ کی رأفت اور رحمت مومنین تک محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی رأفت اور رحمت لامحدود ہے۔

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی میں بھی محقق علماء کے نزدیک آپ ﷺ کا ہر قول مراد نہیں کیونکہ آپ ﷺ جنگوں میں اجتہاد فرماتے تھے جیسے لِمَ اَذِنۡتَ لَھُمۡ (التوبہ) اور لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (التحریم) میں ہے۔ تو اس طرح یہ بات بنتی ہے کہ خبر واحد مخلوق کا کلام ہونے کی وجہ سے NON-INFINITY ہے اور اللہ کا فرمان یعنی قرآن کی آیت INFINITY ہے تو اس لیے قرآن کی آیت سے استدلال کے مقابلہ میں خبر واحد کا استدلال کالعدم ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کو اکثر جگہ قرآن کی آیت کے مقابلہ میں قبول نہیں فرمایا۔ جس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ گھوڑے کا حلال ہونا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض خبر واحد کے درجہ کی احادیث کی بنیاد پر اس کو حلال فرمایا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن کی اس آیت وَ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡھَا وَ زِیۡنَۃً

(نحل) کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ سواری اور زینت کے لیے ہیں، کھانے کا ذکر نہیں ہے تو اس لیے کھانے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ اب قرآن کی آیت INFINITY ہے اور خبر واحد NON-INFINITY تو اس لیے یہ کالعدم ہے۔

2۔قربانی کا واجب ہونا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدال قرآن کی آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ (الکوثر) سے ہے جس میں وانحر امر ہے اور نحر اونٹ کی یا گائے کی قربانی کو کہتے ہیں۔لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک خبر واحد کی بنیاد پر اس کو واجب نہیں فرماتے۔ ثَلَاثٌ هُنَّ عَلَيَّ فَرِيضَةٌ وَلَكُمْ تَطَوُّعٌ: الضَّحِيَّةُ وَ صَلَاةُ الضُّحى وَ الْوِتْرُ ۔تو اس میں بھی آیت کا مقابلہ خبر واحد سے ہے تو خبر واحد کا استدلال قرآن کی آیت کے مقابلہ میں کالعدم ہوگا

3۔ حقِ فرقت

یعنی اگر خاوند بیوی کو نفقہ نہ دے سکے تو بیوی طلاق لے سکتی ہے۔امام مالک، امام شافعی اور حماد رحمۃ اللہ علیہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث جو کہ قوی اور مرسل ہے، کی بنا پر حق فرقت دیتے ہیں۔امام مالک ایک ماہ، امام شافعی 3 دن اور حماد ایک سال۔لیکن امام ابوحنیفہ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ (الطّلاق) کی وجہ سے یہ حق نہیں دیتے۔تو یہاں پر بھی قرآن بمقابلہ خبر واحد ہے تو راجح قول امام ابوحنیفہ کا ہونا چاہیے وغیرہ۔

اللہ کے کلام اور مخلوق کے کلام میں فرق کو قائم رکھنا

یہ بھی فقہ حنفی کا کمال ہے۔واجب اور فرض کی اصطلاحات غالباً اسی وجہ سے ہیں کہ خالق اور مخلوق کے کلام میں فرق قائم رہے۔امام شافعی قومہ، جلسہ، ترتیب ارکان، تعدیل ارکان کو واجب فرماتے ہیں لیکن احناف چار جو کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ (الانعام) سے ثابت ہیں ان کو فرض اور جن کی تاکید آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمان سے ہے ان کو واجب فرماتے ہیں۔تا کہ یہ فرق قائم رہے۔اسی طرح امام شافعی حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرۃ) کی بنیاد پر وتر کو واجب نہیں مانتے۔لیکن احناف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے اس کو واجب اور باقی پانچ نمازوں کو فرض فرماتے ہیں۔تا کہ خالق اور مخلوق کے کلام کا فرق

باقی رہے۔امام ابوحنیفہ نے بھی بعض جگہ حدیث کو آیت کے مقابلہ میں لیا ہے جیسے قصاص کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اس حدیث کو لیتے ہیں لا قصاص الا بالسیف ۔جبکہ امام شافعی وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ قصاص کا معنی برابری ہے تو ایسے قتل کیا جائے جیسے اس نے قتل کیا۔اوراسی طرح ناسخ منسوخ کے مسئلہ میں امام شافعی حدیث کو قرآن کی مثل نہیں مانتے اس لیے ان کے نزدیک حدیث سے قرآن میں نسخ نہیں ہے لیکن چونکہ عملی طور پر ایسا ہوا ہے اس لیے احناف اس مسئلہ میں حدیث سے منسوخ ہونا بھی مانتے ہیں۔

اللہ کی ذات کے INFINITY ہونے کی چند اور مثالیں

1 اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (النور) اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی انوار المشکاۃ میں فرماتے ہیں: اللّٰہ نور لیس نور الا اللّٰہ اللہ ہی نور ہیں اور اس کے علاوہ نور نہیں ہے۔اس پر یہ اشکال کہ چونکہ نور کی ضد ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو نور کہنا منع ہے، ضعیف ہے اس لیے کہ اللہ کا نور INFINITY ہے اور INFINITY کی ضد نہیں ہوتی مخلوق کا نور جو اللہ نے ان کو دیا ہے اس کی ضد ممکن ہے۔

2 اسی طرح حدیث قدسی کہ ''زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ زمانہ تو میں خود ہوں'' اس لیے فرمایا کہ چونکہ مکان مقید و محدود ہوتا ہے لیکن زمان مقید اور محدود نہیں ہوسکتا ہے یہ INFINITY ہوتا ہے اور اللہ کی ذات بھی INFINITY ہے۔

3 سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِى الْآفَاقِ وَفِى أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدہ) میں عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْد اور عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْط INFINITY کا پتہ دے رہی ہیں اور اسی سے مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا حل بھی نکل آتا ہے۔یہ ایک اصول کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اس کو بے شمار جگہوں پر علم یقینی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

یہ چند باتیں جو کہ میں نے اپنے اسلاف کی کتابوں سے ڈھونڈی ہیں اور کچھ اپنے پاس سے نتائج اخذ کیے ہیں لیکن ایک طالب علمانہ حیثیت سے۔لو کان صوابًا فمن اللّٰہ ورسولہ لو کان ھذا خطأ فمن نفسی و من الشیطان۔ و اللّٰهُ و رسولُهٗ بریئان وانا تبت الی ربی فاغفرلی یا ارحم الراحمین۔

اخیر میں infinity کی صفات جیسا کہ علماء ریاضی نے بیان کیا جاتا ہے ہر صفت سے اللہ کی صفات کی تائید ہوتی ہے۔جس کو ہر صفت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

Properties of Infinity

Addition with Infinity

Infinity Plus a Number

$$\infty \pm k = \infty$$

اللہ تعالیٰ کمی بیشی سے پاک ہے، سبحان ہے

Infinity Plus Infinity

$$\infty + \infty = \infty$$

اللہ تعالیٰ واحد ہیں کیونکہ جواب 2 نہیں ہے

Infinity Minus Infinity

$$\infty - \infty \rightarrow \text{Indeterminate Form}$$

اللہ تعالیٰ عدم نہیں ہوتا کیونکہ جواب صفر نہیں ہے

Multiplication with Infinity

Infinity by a Number

$$\infty \cdot (\pm k) = \pm\infty \qquad if\ k \neq 0$$

ضرب کا مطلب ہوتا ہے پھیلانا اور پھیلاؤ اولاد سے ہوتا ہے ایک سے کئی ہو جاتے ہیں۔
اس لیے اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہیں۔

Infinity by Infinity

$$\infty \cdot \infty = \infty$$

Infinity by Zero

$$0 \cdot \infty \rightarrow Ind$$

اللہ تعالیٰ عدم نہیں ہوتے بلکہ ابدی ہے

Division with Infinity and Zero

Zero over a Number

$$\frac{0}{k} = 0$$

مخلوق کو عدم سے مخلوق نہیں نکال سکتی

A Number over Zero

$$\frac{k}{0} = \pm\infty$$

مخلوق کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود عطا فرما سکتے ہیں۔

A Number over Infinity

$$\frac{k}{\infty} = 0$$

مخلوق Infinity ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مقابل صفر ہے کالعدم ہے

Infinity over a Number

$$\frac{\infty}{k} = \infty$$

مخلوق اللہ کے مقابل کچھ نہیں

Zero over Infinity

$$\frac{0}{\infty} = 0$$

عدم کو عدم وجود نہیں دے سکتا

Infinity over Zero

$$\frac{\infty}{0} = \infty$$

اللہ تعالیٰ عدم نہیں ہوتے

Zero over Zero

$$\frac{0}{0} \rightarrow Ind$$

عدم کو عدم سے دور نہیں کیا جا سکتا

Infinity over Infinity

$$\frac{\infty}{\infty} \rightarrow Ind$$

چونکہ...... دو نہیں ہو سکتے اس لیے جواب...... نہیں ہے

Powers with Infinity and Zero

A Number to the Zero Power

$$k^0 = 1$$

مخلوق کو عدم سے ایک ہی نکال سکتا ہے

Zero to the Power Zero

$$0^0 \to Ind$$

عدم سے عدم کو وجود نہیں ملتا

Infinity to the Power Zero

$$\infty^0 \to Ind$$

اللہ تعالیٰ ازلی ہیں

Zero to the Power of a Number

$$0^k = \begin{cases} 0 & \text{if } k>0 \\ \infty & \text{if } k<0 \end{cases}$$

A Number to the Power of Infinity

$$k^\infty = \begin{cases} \infty & \text{si } K>1 \\ 0 & \text{si } 0<k<1 \end{cases}$$

Zero to the Power of Infinity

$$0^\infty = 0$$

Infinity to the Power of Infinity

$$\infty^\infty = \infty$$

One to the Power of Infinity

$$1^\infty \to Ind$$

حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

❷

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

کی کتاب ’حکمتِ اقبال‘ سے ایک باب

نفسیاتِ تشاکلی کے متعلق اقبال کی رائے

جرمن ماہرین نفسیات کا ایک مکتب جسے وحدتوں کی نفسیات (Gestalt Psychology) یا نفسیاتِ تشاکلی (Configuration Psychology) کہا جاتا ہے اس حقیقت کے ثبوت میں نہایت ہی زوردار اور یقین افروز تجرباتی شواہد بہم پہنچاتا ہے کہ خارجی دنیا کے متعلق انسان کا علم وحدتوں کی شکل اختیار کرتا ہے اس مکتب نفسیات کا کہنا یہ ہے کہ ذی شعور کردار کے گہرے مطالعہ سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ اس میں معرفت یا پہچان حسیات کے سلسلہ سے بلند اور بالا ہو کر کام کرتی ہے۔اس معرفت یا پہچان سے اشیاء کے مادی، مکانی یا علتی تعلق کے بارہ میں شعور کا علم یا اندازہ ہوتا ہے یعنی انسانی شعور مختلف اشیاء کے ایک بے ترتیب مجموعہ سے بعض اشیاء کو جو اس کے مقصد کے پیش نظر ایک وحدت بناتی ہے، چن لیتا ہے اس مکتب نفسیات کے متعلق اقبال لکھتا ہے:

> ’’تاہم اس خیال سے کچھ اطمینان ہوتا ہے کہ شاید جرمنی کا نیا مکتب نفسیات جسے نفسیاتِ تشاکلی کہا جاتا ہے نفسیات کو ایک آزاد اور مستقل علم کی شکل دینے میں کامیاب ہو جائے اور اسی طرح سے شاید ابداعی ارتقا (Emergent Evolution) کا نظریہ بھی آخر کار حیاتیات کی آزادی اور استقلال کا باعث بن سکے‘‘۔

کرداریت (Behaviourism) اور منطقی اثباتیت (Logical Positivism)

اوراس قسم کے دوسرے سطحیت پسند فلسفے جو فلسفہ کے اس عالمگیر انحطاط کے دور میں حشرات الارض کی طرح پیدا ہو رہے ہیں ان کی وجہ یہ ہے کہ ان کے منکرین شعور موجدوں اور مبلغوں کی نگاہ ابھی تک انسان کے حسی تجربات کی وجدانی اور مابعد الطبیعیاتی بنیاد پر نہیں پڑی۔

چونکہ ہمارے وجدان کا باعث ہماری آرزوئے حسن ہے، اقبال نے وجدان کو عشق اور جنون اور نظر وغیرہ کے ناموں سے بھی تعبیر کیا ہے:

ے زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

ے خرد کے پاس خبر کے سوا اور کچھ نہیں
ترا علاج نظر کے سوا اور کچھ نہیں

ے سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است
زمانہ ہیچ نداند حقیقت او را
جنوں قبا ست کہ موزوں بقامتِ خرد است

سائنس اور وِجدان

جب سائنس دان کے پاس نام نہاد ''مشاہداتی حقائق'' (Observed Facts) (جن کو در حقیقت ہمارا وجدان صورت پذیر کرتا ہے) کی کچھ تعداد فراہم ہو جاتی ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ ان کی تشریح کے لیے بالفاظِ دیگر ان کو منظّم کر کے ایک وحدت بنانے کے لیے اُسے ایک مفروضہ (Hypothesis) یا نظریہ (Theory) کی یا ایک وجدانی یا اعتقادی تصور کی ضرورت ہے۔ لہٰذا وہ اس قسم کا ایک وجدانی مفروضہ ایجاد کرتا ہے۔ اگر یہ مفروضہ جو در حقیقت مابعد الطبیعیات کی دنیا سے لایا جاتا ہے، فی الواقع ان تمام حقائق کی معقول تشریح کرتا ہو یعنی ان کو منظّم کر کے ایک وحدت بناتا ہو تو وہ مفروضہ بھی جب تک کہ ان حقائق کی معقول تشریح کر رہا ہو ایک ایسی ہی قابل یقین حقیقت شمار کیا جا سکتا ہے جیسی کہ کوئی اور علمی حقیقت جس کو سائنس دان مشاہدہ قرار دیتا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت سائنس دانوں کے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کبھی مشاہدہ میں نہ آئی

ہو کیونکہ اس صورت میں کوئی دوسرا مفروضہ ان حقائق کی تشریح نہیں کرسکتا اور اس مفروضہ کی جگہ نہیں لے سکتا۔ گویا سائنس دان ایک غائب چیز کی موجودگی پر اس کے نتائج واثرات کی وجہ سے یقین کرلیتا ہے یہی ایمان بالغیب ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے:

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں)

وجدانی مفروضات کی ضرورت

سائنس دان پر ہی موقوف نہیں ہم اپنی روزمرہ زندگی میں مفروضات ایجاد کرتے رہتے ہیں یعنی بعض تصورات پر ایمان بالغیب لاتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہ ''کل سورج طلوع ہوگا'' یا یہ کہ ''میرا دوست سخی ہے'' حالانکہ سورج کا آج طلوع ہونا تو ایک مشاہداتی علم ضرور ہے لیکن اس کا کل طلوع ہونا محض ایک مفروضہ ہے جس پر ایمان لاکر ہم اپنے بہت سے کام کرتے ہیں۔ اس طرح سے میرے دوست نے آج تک سخاوت کے بہت سے کام کیے ہوں گے لیکن میرا یہ علم کہ سخاوت اس کی طبیعت کا ایک جزو ہے اور وہ آج کے بعد بھی کوئی سخاوت کا کام کرے گا، مشاہداتی علم ہرگز نہیں بلکہ ایک مفروضہ ہے یا وجدانی علم ہے۔ ہماری ساری عملی زندگی کا دارومدار اسی قسم کے غائب از نظر مابعدالطبیعیاتی یا وجدانی حقائق پر ہے۔ مابعدالطبیعیات ہماری عملی زندگی کی جان ہے اور اس کے بغیر ہم اپنی زندگی کے راستہ پر ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔ بعض لوگوں کو مابعدالطبیعیات سے خواہ مخواہ نفرت ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عملی زندگی مشاہداتی یا معروضی حقائق پر مبنی ہے۔ حالانکہ اگر ان کی عملی زندگی سے مابعدالطبیعیات کو ایک لمحہ کے لیے بھی الگ کردیا جائے تو ان کی بیشتر حرکات وسکنات یک دم موقوف ہوجائیں۔ ہر وہ حقیقت جس پر ہم یقین کرتے ہیں شروع میں ایک مفروضہ ہی ہوتی ہے پھر جوں جوں نئے نئے حقائق منکشف ہوکر اس مفروضہ کی تائید کرتے جاتے ہیں وہ مفروضہ ہمارے لیے ایک حقیقت میں تبدیل ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر ہمارا یقین حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر حقائق جو آشکار ہوتے جاتے ہیں اس مفروضہ کی تائید نہ کریں تو ہم اس مفروضہ کو غلط سمجھ کر ترک کردیتے ہیں اس قسم کی ناقابل انکار حقیقت کی ایک مثال جس پر سائنس دان ایمان بالغیب رکھتا ہے ''ایٹم'' ہے جس کے اندرونی نظام کو آج تک دیکھا نہیں گیا ''ایٹم'' کو ایک مفروضہ کے طور پر آج سے صدیوں پہلے پیش کیا گیا تھا

لیکن ان کئی صدیوں میں ہم نے ایٹم کے نتائج و اثرات کا یعنی ان وحدتوں کا جن کو ایٹم کا وجدانی تصور جوڑ کر ایک نئی وحدت بناتا ہے جو تجربہ کیا ہے اس نے ایٹم کو آج ایک ناقابلِ انکار علمی حقیقت بنا دیا ہے اور اس حقیقت کا علم یہاں تک مؤثر ہے کہ ہمیں ناگاساکی اور ہیروشیما کو آنِ واحد میں تباہ کرنے پر قادر بنا سکتا ہے۔ سائنس دان ایک مفروضہ کو جو اس کے مشاہداتی حقائق کی معقول تشریح کر رہا ہو اپنے مشاہداتی حقائق سے کم درجہ کی علمی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔ وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مشاہداتی حقائق تو سائنس ہیں لیکن یہ مفروضہ جو ان کو منظّم کرتا ہے یا ان کی تشریح کرتا ہے سائنس نہیں۔ بعض وقت الگ تھلگ مشاہداتی حقائق سے زیادہ یہ مفروضہ اس کے کام آتا ہے کیونکہ اس کو اپنی تحقیق اور تجسّس کو جاری رکھنے کے لیے اور نئے نئے مشاہداتی حقائق کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی یا راہ نما تصور کا کام دیتا ہے اور اس مفروضہ کے بغیر اس کے مشاہداتی حقائق بھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

سائنس اور فلسفہ کا باہمی تعلق

سائنس دان وجدانی مفروضات ایجاد کرنے کی جو ضرورت محسوس کرتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بہت سی چھوٹی چھوٹی وحدتیں مل کر ایک بڑی وحدت بناتی ہیں اور ہم کائنات کی فطرت اور اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ حقائق کو وحدتوں ہی کی صورت میں جانیں اور سمجھیں۔ ضروری ہے کہ ہماری یہ مجبوری سائنس دان کو زود یا بدیر ایک ایسے مرحلہ پر پہنچا دے جہاں اس کے دریافت کیے ہوئے حقائق کی تشریح ایک ایسے مفروضہ یا ایک ایسے وجدانی یا اعتقادی تصور ہی سے ہوسکتی جو پوری کائنات کے حقائق کو متحد اور منظّم کرتا ہو اور جب سائنس دان اس مفروضہ سے حقائق کائنات کی تشریح کرنے لگ جائے تو خواہ ہم اسے سائنس دان کہیں یا فلسفی دونوں صفات میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ فلسفی بھی سائنس دان کے بہم پہنچائے ہوئے حقائق کی تشریح ایک ایسے وجدانی تصور سے کرتا ہے جو اس کے خیال میں پوری کائنات کے حقائق کو ایک وحدت بناتا ہے خواہ اس کا یہ تصور روحانیاتی ہو یا مادیاتی۔ ان مفروضات سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ دراصل سائنس دان اور فلسفی میں کوئی فرق نہیں دونوں کے کام کا دائرہ ایک ہی ہے اور دونوں کی علمی تحقیق اور تجسّس کا دارومدار بھی انسان کی ایک ہی استعداد پر ہے جسے ہم وجدان کہتے ہیں۔

سائنس کو اپنی ترقی کی انتہاؤں پر پہنچ کر فلسفہ بننے کے بغیر چارہ نہیں رہتا کیونکہ اگر وہ اس مرحلہ پر فلسفہ نہ بن سکے تو بے معنی ہو جاتی ہے۔ اتفاقاً اس بیسویں صدی میں سائنس اپنی ترقی کی ان انتہاؤں پر پہنچ گئی ہے جہاں اسے فلسفہ بننے کے بغیر چارہ نہیں۔ جہاں اس کے دریافت کیے ہوئے علمی حقائق کی تشریح ایک ایسے وجدانی یا اعتقادی تصور سے ہی ہو سکتی ہے جو پوری کائنات کے حقائق کو متحد اور منظّم کرتا ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ تخلیق کی تین سطحیں ہیں: مادہ کی دنیا، حیوانات کی دنیا اور انسانوں کی دنیا۔ ان کے بالمقابل علم کے بھی تین ہی بڑے شعبے ہیں: طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات۔ اس صدی میں جو طبیعیاتی حقائق دریافت ہوئے ہیں انہوں نے ماہرین طبیعیات کو مجبور کر دیا ہے کہ ان کی تنظیم اور تشریح کے لیے یہ وجدانی تصور یا اعتقاد ایجاد کریں کہ کائنات کی آخری حقیقت شعور ہے کیونکہ یہ تصور کہ کائنات کی حقیقت مادی ہے جسے اب تک سائنسدان قبول کر رہے تھے ان نئے طبیعیاتی حقائق کی تشریح کرنے سے قاصر ہے اس وجدانی تصور یا اعتقاد کو واضح کرنے کے لیے ایڈنگٹن (Eddington) اور جیمز جینز (James Jeans) ایسے ماہرین طبیعیات نے جو کتابیں لکھیں ہیں وہ بظاہر طبیعیات کی کتابیں ہیں لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ فلسفہ کی کتابیں نہیں ہیں۔ اسی طرح سے اس صدی میں جو حیاتیاتی حقائق منکشف ہوئے ہیں انہوں نے ماہرین حیاتیات کو مجبور کر دیا ہے کہ ان کی تشریح اس مفروضہ یا اعتقاد سے کریں کہ کائنات کی حقیقت شعور ہے مادہ نہیں۔ اس نظریہ کی تشریح کے لیے جے ایس ہالڈین (Haldane) نے جو کتاب لکھی ہے اس کا نام ہی حیاتیات کی فلسفیانہ بنیاد (Philosophical Basis of Biology) ہے۔ اور پھر اس وقت نفسیات کے میدان میں جو حقائق منکشف ہو رہے ہیں وہ بھی شعور کی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ بات نہایت تسلی بخش ہے کہ ماہرین طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات ایسے حقائق کا انکشاف کر رہے ہیں جن کی معقول اور یقین افروز تشریح کے لیے خدا کے تصور کے علاوہ کوئی دوسرا تصور کام نہیں دے سکتا اگرچہ اس تصور کے خلاف اہل مغرب فی الحال ایک دیرینہ علمی تعصب میں مبتلا ہیں۔

سائنسی نظریات کے تغیر کی سمت

فلسفیوں اور سائنس دانوں کے نظریات کا بدلنا نہایت مفید اور اہم ہے کیونکہ وہ بدل

بدل کر درستی کی طرف آتے رہتے ہیں جب نئے علمی حقائق دریافت ہوتے ہیں اور کوئی نظریہ جو پرانے علمی حقائق کی تشریح اور تنظیم کے لیے پہلے کافی سمجھا گیا تھا ان کی تشریح اور تنظیم کے لیے کفایت نہیں کرتا تو فلسفی اور سائنس دان دونوں مجبور ہوتے ہیں کہ اس کی جگہ دوسرا نظریہ قائم کریں جو تمام نئے اور پرانے علمی حقائق کی تسلی بخش تنظیم اور تشریح کرتا ہو۔

اس کی مثال روشنی کا نظریۂ امواج ہے جسے سب سے پہلے 1665ء میں ہوک (Hooke) نے پیش کیا تھا۔ بعد کی دو صدیوں میں یہ نظریہ ان تمام حقائق کی کامیاب تشریح کرتا رہا جو اس کے سامنے آتے رہے حتیٰ کہ 1914ء تک بھی یہ نظریہ ان حقائق کی معقول تشریح کر رہا تھا جو فان لائے (Von Laue) نے روشنی کی ایکس (X) شعاعوں کے متعلق دریافت کیے تھے اور جن کی دریافت پر اس سائنس دان کو نوبل (Nobel) کا انعام دیا گیا تھا لیکن 1932ء میں جب اسے انعام حاصل کیے ہوئے ابھی نو سال ہی گزرے تھے یہ نئی علمی حقیقت سامنے آئی کہ ایکس (X) شعاعیں منتشر ہو جاتی ہیں اور یہ حقیقت ایسی تھی کہ روشنی کا قدیم نظریۂ امواج اس کی معقول تشریح کرنے سے قاصر تھا۔ لہٰذا روشنی کا ایک نظریہ ایجاد کیا گیا جسے نظریۂ ذرات یا نظریۂ کوانٹم (Quantum Theory) کہتے ہیں۔ اب یہ نظریہ قدیم اور جدید تمام حقائق علمی کی معقول تشریح کر سکتا ہے اگر ہوک کا وجدان اس قدر تیز یا قوی ہوتا کہ اس کے ذہن میں یہ بات آ جاتی یا ہوک (Hooke) سے بہتر حقائق عالم کا وجدان رکھنے والا کوئی شخص اسے بتا دیتا کہ نور امواج کی صورت میں نہیں بلکہ ذرات کی صورت میں ہونا چاہیے تو یہ نظریہ روشنی کے متعلق نہ صرف اس وقت کے علمی حقائق کی بلکہ آج تک دریافت کیے ہوئے تمام علمی حقائق کی تشریح کے لیے کفایت کرتا۔ تاہم اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جوں جوں معلوم اور مُسلّم حقائق کی تعداد بڑھتی جاتی ہے حقیقت اشیاء کے متعلق ہمارا وجدانی تصور بھی زیادہ سے زیادہ درست ہوتا جاتا ہے اور یہ کہ حقیقت اشیاء کا صحیح تصور ہی تمام علمی حقائق کی معقول اور مکمل تشریح کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ضروری ہے کہ حقائق علمی کی ترقی کی وجہ سے بالآخر حقیقت اشیاء کے ایسے وجدانی تصور پر پہنچ جائیں جو کامل طور پر صحیح ہو اور پوری کائنات کے ان تمام علمی حقائق کی معقول اور کامل طور پر تسلی بخش تشریح کر سکے جو قیامت تک دریافت ہوتے رہیں گے۔

وجدان اور عقلی استدلال کا تعلق

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کائنات کی عقلی توجیہ کرتے ہوئے ایک فلسفی محض عقلی یا منطقی استدلال کے بل بوتے پر اپنے نتائج کو پہنچتا ہے اور اپنے اس استدلال میں جذبات کو راہ پانے نہیں دیتا لیکن عقلی استدلال کا یہ نظریہ درست نہیں۔ ہر فلسفی پہلے کائنات کے ان حقائق کی روشنی میں جو اسے معلوم ہوں کائنات کی حقیقت کا ایک وجدانی تصور قائم کر لیتا ہے پھر وہ اپنے اس تصور کی علمی اور عقلی تشریح کرنے کے لیے یعنی یہ بتانے کے لیے کہ یہی تصور ہے جو کائنات کی وحدت کا اصول ہے اور سارے حقائق کو منظّم اور متحد کرتا ہے عقلی استدلال سے کام لیتا ہے اس کا نتیجہ اس کے استدلال سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کا استدلال اس کے نتیجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنا نتیجہ اسے پہلے ہی وجدانی طور پر معلوم ہوتا ہے اور اس کی طرف وہ اپنے استدلال کو اپنی پوری فکری قوت اور زور بیان کے ساتھ موڑتا ہے۔ کوئی فلسفی چھوٹا یا بڑا اس اصول سے منحرف نہیں ہوسکتا۔ ایک فلسفی پر ہی موقوف نہیں ایک سائنس دان یا ماہر ریاضیات بھی پہلے ایک حقیقت کو وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے بعد میں اسے تجربات یا استدلال سے ثابت کرتا ہے۔ نیوٹن کا قانون ثقل سیب کو درخت سے نیچے گرتے ہوئے دیکھ کر پہلے وجدانی طور پر محسوس کیا گیا تھا اور بعد میں تجربات سے ثابت کیا گیا فیثا غورث کا مسئلہ بھی پہلے ایک وجدانی تصور تھا جسے بعد میں ریاضیاتی طور پر ثابت کیا گیا۔

حکمتِ اقبال کی نوعیت کی تشریح ایک ماہر ریاضیات کی مثال سے

ایک ماہر ریاضیات جس ریاضیاتی حقیقت کو وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے وہ اس کے نزدیک ایک حقیقت ہی رہتی ہے خواہ وہ اسے ثابت کرے یا نہ کرے اور ثابت کر سکے یا نہ کر سکے۔ لیکن وہ اسے ثابت اس لیے کرتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے وجدان میں شریک کرے۔ ہر ریاضیاتی حقیقت پہلے وجدانی طور پر ایک کل کی حیثیت سے محسوس کی جاتی ہے۔ بعد میں اسے ثابت کرنے کے لیے اس کا منطقی یا عقلی تجزیہ کیا جاتا ہے جیسے ماہر ریاضیات بعض ریاضیاتی مسلّمات سے شروع کرتا ہے۔ پھر ان مسلمات سے ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے جو ایک مساوات کی صورت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ مساوات بھی ریاضیاتی مساوات میں داخل ہو جاتی ہے پھر اس نتیجہ یا مساوات سے وہ ایک

اور نتیجہ اخذ کرتا ہے اور اس طرح سے ایک اور مساوات قائم کرتا ہے اور وہ بھی ایک ریاضیاتی مُسلّمہ بن جاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس وہ یہ عمل جاری رکھتا ہے یہاں تک کہ اُس ریاضیاتی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے جسے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے اس کا یہ عمل نتائج یا مساوات کی کڑیوں یا حلقوں سے بنی ہوئی ایک زنجیر پیدا کرتا ہے جسے ہم اس ریاضیاتی حقیقت کا ثبوت کہتے ہیں کیونکہ اس عمل سے وہ لوگوں کے لیے ریاضیاتی مسلمہ کے طور پر ثابت یا قائم ہو جاتی ہے اور اسی کو ہم حقیقت کی تشریح یا تفسیر بھی کہتے ہیں۔

اگر ماہر ریاضیات کا ابتدائی وجدانی تصور جس سے وہ آغاز کرتا ہے اور جسے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے درست ہو تو اس کا ثبوت بھی درست ہوتا ہے اور ہم قدم بہ قدم اس کے ساتھ چلتے رہتے ہیں کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ کسی قدم پر بھی غلط اور نا قابل فہم نہیں ہوتا اگر ہم ماہر ریاضیات کی وجدانی حقیقت کو درست مان کر اس کے ثبوت کے راستہ پر قدم بہ قدم واپس آئیں یعنی سلسلۂ ثبوت کی آخری کڑی سے آغاز کر کے پیچھے کی طرف آئیں تو پھر اس ریاضیاتی مسلمہ پر پہنچ جاتے ہیں جس سے اس نے آغاز کیا تھا۔ اس عمل سے بھی ریاضیاتی حقیقت کی درستی ثابت ہو جاتی ہے گویا ابتدائی حقیقت کے جو نتائج یا مضمرات ہوتے ہیں اور وہ سب کے سب اس حقیقت کے اندر اور اس کے ہر نتیجہ کے اندر بالقوہ موجود ہوتے ہیں ان کو بالفعل کرنا یا آشکار کرنا ہی اس حقیقت کو ثابت کرنا اس کی تشریح یا تفسیر کرنا یا اُسے لوگوں کے مسلمات میں شامل کرنا ہے جو صورت اُوپر بیان کی گئی ہے اس میں ثبوت مسلسل بھی ہے اور مکمل بھی۔ کیونکہ اس کی کڑیاں نہ صرف تعداد میں پوری ہیں بلکہ ایک منطقی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔

منظّم اور مختصر ثبوت

لیکن اگر ایک عالم ریاضیات کی وجدانی قوت غیر معمولی طور پر تیز اور قوی ہو اور وہ کسی ریاضیاتی حقیقت کو جو اس نے اپنے وجدان سے دریافت کی ہو اپنی یا اپنی طرح کے دوسرے عالمانِ ریاضیات کی تشفی کے لیے ثابت کر رہا ہو تو بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا وجدان ایک چھلانگ لگاتا ہے اور وہ اپنے سلسلۂ ثبوت کی بعض درمیانی کڑیوں کو چھوڑ کر کسی اگلی کڑی پر پہنچ جاتا ہے اور درمیان میں ایک خلا (Gap) چھوڑ جاتا ہے جو اس حقیقت کے بعض نتائج یا مضمرات

سے پُر ہوتی ہیں اور پھر بعض اور کڑیوں کو چھوڑ کر کسی اور اگلی کڑی پر جا نکلتا ہے اور اسی طرح کا ایک اور خلا درمیان میں چھوڑ جاتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس اس قسم کا ثبوت مختصر تو ہوتا ہے لیکن غلط نہیں ہوتا۔ اگرچہ ریاضیات کے ایک معمولی طالب علم کو جو اس ماہر ریاضیات کے وجدان سے محروم ہو یہ ثبوت آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا تاہم یہ ثبوت مکمل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی تمام محذوف کڑیاں نہ صرف ماہر ریاضیات کے بنیادی تصور کے اندر بلکہ ان محذوف کڑیوں سے پہلے اور بعد کی مذکور کڑیوں کے اندر بھی بالقوہ موجود ہوتی ہیں۔ ایک دوسرا ماہر ریاضیات جو اس ریاضیاتی حقیقت کا پورا وجدان رکھتا ہو اور اس کی مدد سے اور نیز محذوف کڑیوں سے پہلے اور بعد کی مذکور کڑیوں کی مدد سے محذوف کڑیوں کو بآسانی مہیا کر سکتا ہے بشرطیکہ محذوف کڑیاں اتنی اہم نہ ہوں کہ ان کی عدمِ موجودگی میں مذکور کڑیوں کے عقلی اور منطقی تعلق کو سمجھنا ناممکن ہو جائے۔ چنانچہ مبتدیوں کو سمجھانے یعنی ماہر ریاضیات کے وجدان میں شریک کرنے کے لیے یہ محذوف کڑیاں فی الواقع مہیا کی جاتی ہیں اور اس طرح سے ثبوت کے خلاؤں کو پُر کر کے اور اس کو ممکن حد تک طوالت اور وسعت دے کر مکمل کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب ہر شخص اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اس قسم کا مختصر ثبوت غیر منظّم بھی نہیں ہوتا کیونکہ ثبوت کی ہر کڑی جو اس میں موجود ہوتی ہے دوسری موجودہ کڑیوں کی نسبت اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر کھوئی ہوئی کڑیوں کو دریافت کر کے اپنی جگہ پر لے آنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اس صورت میں ماہر ریاضیات کا ثبوت منظّم یا مسلسل تو ہوتا ہے لیکن مکمل نہیں ہوتا۔

غیر منظّم اور مختصر ثبوت

اب فرض کیجیے کہ ہمارا پہلا ماہر ریاضیات اپنی وجدانی ریاضیاتی حقیقت کے نتائج اور مضمرات درج کرتے ہوئے بعض نتائج و مضمرات کو اپنی تیز وجدانی قوت کی وجہ سے غیر ضروری سمجھ کر نہ صرف حذف کر دیتا ہے بلکہ بعض جن کو وہ درج کرتا ہے اس ترتیب کے ساتھ نہیں لکھتا کہ وہ اس حقیقت کے ایک مسلسل اور منظّم ثبوت کی کڑیاں بن جائیں گی بلکہ اس کا جو نتیجہ بھی کسی وقت اس کے وجدان کی روشنی میں آتا ہے بلاترتیب لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے تمام بڑے بڑے نتائج و مضمرات کو اسی طرح بے ترتیب لکھ دیتا ہے اس صورت میں ماہر ریاضیات کا ثبوت نہ صرف

غیر مکمل ہوگا بلکہ غیر مسلسل بھی ہوگا اور اس صورت میں ریاضیات کے ایک معمولی طالب علم کے لیے اس کا سمجھنا اور بھی زیادہ مشکل ہوگا لیکن ایک دوسرے ماہر ریاضیات کے لیے جو اس ساری حقیقت کا پورا وجدان رکھتا ہو ان بے ترتیب نتائج و مضمرات کو ایک مسلسل اور مکمل ثبوت کی شکل میں لانا پھر بھی آسان ہوگا کیونکہ اس کی تمام ضروری کڑیاں بے ترتیب ہونے کے باوجود اس کے پیش نظر ہوں گی لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اب اسے دو کام کرنے پڑیں گے ایک تو یہ کہ اسے تمام غیر مرتب کڑیوں کو جو اس کے سامنے ہیں ان کی منطقی یا عقلی ترتیب میں رکھنا پڑے گا۔ اور دوسرے ان کی ترتیب کے درمیانی خلاؤں کو ان کڑیوں سے پر کرنا پڑے گا جو ریاضیاتی حقیقت کے موجد کے ریاضیاتی وجدان کی غیر معمولی تیزی اور قوت کی وجہ سے محذوف ہوگئی ہیں اور چونکہ یہ دوسری محذوف کڑیاں بھی ترتیب کو چاہیں گی اور پہلی مذکور کڑیوں کو ترتیب کے بغیر ساری کڑیوں کی زنجیر میں ان کا مقام بھی متعین نہ ہو سکے گا وہ بجا طور پر محسوس کرے گا کہ یہ دونوں کام الگ الگ نوعیت کے نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو چاہتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اور لہٰذا دونوں کو ایک ساتھ ہی انجام دیا جا سکتا ہے ورنہ بالکل نہیں دیا جا سکتا۔

ایک ماہر ریاضیات اور فلسفی کا تقابل

جس طرح سے ایک ریاضیاتی حقیقت کا ثبوت حقائقِ معلومہ ومُسلّمہ کے ایک سلسلہ یا نظام کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسی طرح سے حقیقتِ کائنات کے کسی تصور کا ثبوت جو ایک فلسفی پیش کرتا ہے۔ حقائق معلومہ ومسلمہ کے ایک سلسلہ یا نظام کی شکل میں ہوتا ہے جسے ہم نظامِ حکمت کہتے ہیں۔ ایک فلسفی بھی حقیقت کائنات کا جو وجدانی تصور قائم کرتا ہے وہ بھی اس کے نزدیک ایک حقیقت ہی کا تصور ہوتا ہے خواہ وہ اسے ایک حقیقت کے طور پر ثابت کرے یا نہ کرے اور کر سکے یا نہ کر سکے لیکن وہ ثابت کرنے کی کوشش اس لیے کرتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے وجدان سے بہرہ وَر کرے اور اس کے ثابت کرنے کا طریق بھی وہی ہے جو ایک ماہر ریاضیات اختیار کرتا ہے وہ بھی ہمارے مسلمات سے آغاز کرتا ہے اور یہ مسلمات بھی بداہتوں (Self Evident Truths) پر، ان کے عقلی اور منطقی نتائج پر معلوم اور مسلم علمی اور ریاضیاتی حقیقتوں (Scientific and Mathematical Facts) پر اور ان کے نتائج اور مضمرات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وہ

چند ایسے مسلمات کو جو اس کے بنیادی تصور کے مطابق ہوتے ہیں لے کر ایک نتیجہ نکالتا ہے گویا ان کو ایک دوسری شکل دیتا ہے اور ایک مساوات قائم کرتا ہے جو منطقی طور پر یعنی ہمارے ذہنی عمل کے قوانین کی رو سے ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے اور لہٰذا ہمارے مسلمات میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس نتیجہ سے ایک اور نتیجہ نکالتا ہے اور ایک مساوات قائم کرتا ہے جو منطقی طور پر یعنی ہمارے ذہنی عمل کے قوانین کی رو سے ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اور لہٰذا ہمارے مسلمات میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس نتیجہ سے ایک اور نتیجہ نکالتا ہے اور ایک اور مساوات قائم کرتا ہے اور وہ بھی اگر درست ہو تو ہمارے مسلمات میں داخل ہو جاتی ہے وہ علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ وہ اس عمل سے رفتہ رفتہ حقیقتِ کائنات کے اس وجدانی تصور تک پہنچ جاتا ہے جسے وہ درست ثابت کرنا چاہتا ہے اگر فلسفی کا تصورِ حقیقت درست ہو تو ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں کیونکہ پھر اس کا کوئی نتیجہ کسی قدم پر بھی غلط اور ناقابل فہم نہیں ہوتا۔ اس صورت میں فلسفی کا ثبوت مسلسل بھی ہوتا ہے اور مکمل بھی۔ کیونکہ اس کی کڑیاں نہ صرف تعداد میں پوری ہوتی ہیں بلکہ ایک منطقی یا عقلی ترتیب میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

لیکن اگر فلسفی کی ذہنی یا وجدانی قوت غیر معمولی طور پر تیز اور قوی ہو تو وہ اپنے وجدانی تصور حقیقت کا جو ثبوت پیش کرتا ہے اس میں بہت سے خلا موجود ہوتے ہیں اور بہت سی کڑیاں غائب ہوتی ہیں اکثر بڑے بڑے فلسفی ایسے ہی ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ بڑے بڑے فلسفیوں کی کتابیں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اکثر فلسفیوں کا فلسفہ مسلسل ہوتا ہے یعنی اس کے استدلال کی کڑیاں عقلی یا منطقی ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئی ہوتی ہیں لیکن ان کے درمیان کے خلاؤں کی وجہ سے ان کڑیوں کا باہمی عقلی یا منطقی ربط مبتدیوں اور عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا گویا مسلسل ہونے کے باوجود وہ عام لوگوں کے لیے مکمل نہیں ہوتا لہٰذا ہر بڑے فلسفی کے شارحین پیدا ہوتے ہیں جو اس کے ثبوت کی محذوف کڑیوں کو بیان کر کے اس کے فلسفہ کے خلاؤں کو پر کرتے ہیں اور اس طرح سے اس کو عام لوگوں کے اَفہام کے قریب لے آتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بڑا فلسفی جو حقیقت کائنات کا ایک صحیح اور واضح تصور رکھتا ہو اس کے نتائج اور مضمرات کو ایک مسلسل اور منظّم استدلال یا مساوات اور نتائج کی ایک

زنجیر کی شکل میں بیان نہ کرے بلکہ اس کا جو نتیجہ بھی کسی وقت اس کے وجدان کی روشنی میں نمودار ہو وہ بلا ترتیب لکھتا چلا جائے یہاں تک کہ اس کے تمام ضروری اور بڑے بڑے نتائج اور مضمرات کو اسی طرح سے بلا ترتیب لکھ دے اس صورت میں اس کا ثبوت نہ صرف غیر مکمل ہوگا بلکہ غیر مسلسل بھی ہوگا اور اس صورت میں عام لوگوں کے لیے اس کا سمجھنا اور بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ اقبال کی حکمت اسی نوعیت کی ہے لیکن ایسے شخص کے لیے جو ایسے فلسفی کے تصور حقیقت (Idea of Reality) کا پورا وجدان رکھتا ہو اس تصور کے ثبوت کو اس کے بیان کیے ہوئے نتائج اور مضمرات کی روشنی میں مسلسل اور منظّم بنا کر پیش کرنا پھر بھی آسان ہوگا۔ کیونکہ اس کی تمام ضروری کڑیاں بے ترتیب ہونے کے باوجود اس کے پیش نظر ہوں گی اور اس کا وجدان ان کے باہمی عقلی اور علمی ربط کو اس کے لیے واضح کرے گا کہ لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسے بھی ماہر ریاضیات کی طرح جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے دو کام ایک ساتھ کرنے پڑیں گے: ایک تو یہ کہ اسے ان تمام غیر مرتب کڑیوں کو جو اس کے سامنے موجود ہیں ان کی منطقی اور عقلی ترتیب کے ساتھ رکھنا پڑے گا اور دوسرے ان کی ترتیب کے درمیانی خلاؤں کو ان کڑیوں سے پر کرنا پڑے گا جو فلسفی کی غیر معمولی تیزی کی وجہ سے محذوف ہوگئی ہیں اس طرح سے اس کے پیش رو فلسفی کا تصور حقیقت ایک مسلسل اور مکمل نظام حکمت کی صورت میں سامنے آجائے گا اور لوگوں کے لیے اس کے وجدان میں شریک ہونا اور اس کے تصورِ حقیقت سے متفق ہونا آسان ہو جائے گا۔ (جاری ہے)

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں!
خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں!
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اَللہ ھُو میں!

علامہ اقبال

اسلام دشمنی میں
صلیبیوں کے فکری و عسکری حملے
LAST CRUSADE

رضی الدین سیّد ۔ کراچی

اسلام کا آغاز اگرچہ بہت ہی کم افرادی قوت سے ہوا تھا، لیکن اس کے بعد وہ اپنے مرکز سے نکل کر بہت تیزی کے ساتھ دنیا کے چاروں کونوں میں پھیل رہا تھا۔ اس کی تہذیب، ثقافت، مذہب اور زبان سے دنیا کا ہر فرد متاثّر ہو رہا تھا۔ مغرب کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلم دنیا سے گھرا ہوا رہا، اس لئے مسلم دنیا کے مقابلے میں وہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی طور پر سخت دباؤ کا شکار رہا۔ اس کے سامنے اب دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ یا تو وہ اسلام کے ساتھ مصالحت اختیار کرلے، یا اس کے ساتھ دوبارہ مقابلہ کرلے۔ عیسائیت چونکہ سدا سے برتری اور تعصّب کا شکار رہی تھی، اس لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ عیسائیت حیران تھی کہ جس مذہب نے رومن ایمپائر کی شکل میں ساری دینا پر حکمرانی کی تھی، وہ خود اسلام کی زد میں کیسے آ گئی؟ دنیا اس وقت دو بڑے کیمپوں میں بٹی ہوئی تھی: رومی سلطنت تھی یا پھر ایرانی بادشاہت!۔ ہرقل روم نے ایرانی بادشاہت کو بھی 628ء میں آخر کار زیر کرلیا تھا۔ لیکن عیسائیت کو اس بات کا بہر حال جواب نہیں مل رہا تھا کہ یہ مسلمان کیسے نئے فاتح تھے کہ بجائے زیر ہونے کے خود ابدی آقا (مسیحیت) کو بھی انہوں نے زیر کرنا شروع کر دیا تھا؟ یہودیوں کی تعداد چونکہ سدا سے کم رہی ہے، عالمی خطے میں تب کوئی ایک ملک بھی انہیں حکمرانی کے لئے میسّر نہ تھا، اس لئے عیسائیوں نے انہیں آسانی سے دبالیا تھا۔ لیکن مسلمان چونکہ ایک سیلِ رواں بنتے جا رہے تھے، اس لئے تلوار کے ذریعے انہیں

زیر کرنا عیسائیوں کے لئے ممکن نہ رہا تھا۔

صلیبی جنگیں

صلیبیوں نے اپنے سامنے ہمیشہ ہی سے دو مقاصد رکھے ہیں: نمبر 1، مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے واپس لے لیں۔ اور نمبر 2، پوری دنیا کو عیسائی بنالیں۔ ان دونوں مقاصد کے لیے انہیں پروپیگنڈے، اشتعال انگیز تحریروں، تقریروں اور خوفناک جنگوں کی ضرورت تھی جس کا انہوں نے بھرپور استعمال کیا۔ اسلحے کے بل پر مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے انہوں نے کئی بار صلیبی جنگوں کا سلسلہ چھیڑا جن میں انہیں عمومی کامیابی، مگر بالآخر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے تمام روم اور پھر فلسطین کو ارضِ مقدس قرار دیا اور ان کے حصول کی خاطر روا رکھی جانے والی جنگوں کو جنگِ مقدس کا نام دیا۔ ان جنگوں میں عیسائیوں پر ہمیشہ مذہبی جنون طاری رہا۔ دُور و نزدیک کے ہر ملک سے عیسائی، مسلمانوں کے خلاف کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کے مذہبی پادری اشتعال انگیز تقریریں کر کے اور حضرت عیسیٰ و مریم (علیہما السلام) کا حوالہ دے کے عوام کو اندھے مذہبی جنون میں مبتلا کرتے تھے۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ لوگ اپنے سینوں پر گرم لوہے سے صلیب کا نشان داغنے لگے اور جنگوں میں شرکت کے لیے جائیدادیں معمولی قیمتوں پر فروخت کرنے لگے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے آگے آگے رواں دواں رہتے تا کہ جنگی افراد کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں اپنی جانیں نچھاور کردیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنا گھر بار، وطن، خاندان، کھیت، کھلیان اور زندگی کی ہر آسائش سے منہ موڑ لیا۔ ایک رومی پادری ''اُربن دوم'' نے 1098ء میں اپنے پورے زورِ خطابت کے ساتھ تقریریں شروع کیں جن میں عیسائیوں کو اسلامی خطروں کے خلاف متحد ہوجانے اور ظالم 'سراسینیوں' (صحرانشینوں۔ عربوں اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی ایک غیر اخلاقی اصطلاح) سے یروشلم کی حفاظت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

اس دور میں عیسائیوں کے مذہبی جذبات بھڑکانے کے لئے جس قسم کی تقریریں کی جاتی تھیں، ان کے بعض نمونے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

1۔ افسوس اے عالمِ مسیحیت، صد افسوس! دشمن یروشلم پر قابض ہوگیا ہے، مقدس صلیب کھوگئی ہے اور ہماری فوج برباد ہوئی ہے۔ افسوس کہ سمندر پار دجالی قوتیں برسرِ اقتدار آگئی ہیں،

مشرق میں شیطان کے جھنڈے بلند ہو گئے ہیں اور مسلمانوں نے یروشلم کو پامال کردیا ہے۔
(انجیل کی ایک عبارت) (کتاب: سلطان صلاح الدین ایوبی۔از ہیراللہ لئیم ،مترجم محمد یوسف عباس)

2۔ عیسائیوں کی شکست محض ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔اگر خلوصِ دل سے دوبارہ جدوجہد کی جائے تو خدا کے فضل سے عیسائی کامیاب ہوں گے اور اس مقدس شہر پر صلیب کے پھریرے لہرائیں گے۔جو سنگ وخشت کا مجموعہ نہیں بلکہ نجاتِ آخرت کا ذریعہ اور فلاح کا زینہ ہیں۔(ایضاً،ص ۳۳۷)

3۔ ہم نے حلف اٹھایا ہے کہ جیتے جی یروشلم سے دستبردار نہ ہوں گے۔ہم اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کو ذبح کردیں گے۔ساز وسامان کو جمع کرکے آگ لگا دیں گے۔گرجوں،قربان گاہوں،تبرکات اور پارچہ جات کو نذرِ آتش اور عورتوں اور بچوں کو تہہ تیغ کردیں گے۔پھر ہمارے پادری اور سپاہی موت کو للکارتے ہوئے تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔(ایضاً۔ص ۱۵۱)

4۔ افسوس ہے عیسائیوں پر،گناہ گاروں اور سرکشوں پر،افسوس ہے ان پر جنہوں نے اس عظمتِ جہاں یروشلم کو کھودیا۔(ایضاً ص۔۱۵۹)

5۔ تمہیں کیا پروا کہ دشمنانِ خدا ہماری تذلیل کریں۔تمہیں ان کے طعنوں سے کیا واسطہ؟ وہ ہمیں للکارتے ہیں،بلاؤ اب تمہارا خدا کہاں ہے؟،ہم نے تو تمہارے مقدس مقامات پامال کردیے ہیں۔ہم نے تو تمہارے اسلاف کی توہّم پرستی کے اکھاڑوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ہمت ہے تو آؤ اب مقابلے میں!۔ہم نے فرانسیسیوں کے نیزے توڑ دیے ہیں،انگریزوں کے دانت کھٹے کردیے ہیں،جرمن بہادروں کو نیچا دکھا دیا ہے اور ہسپانوی سورماؤں کو مار بھگا دیا ہے۔اب بلاؤ تم کسے بلاتے ہو؟ ہم نے تمہاری عورتوں کو ایسا داغِ بیوگی دیا ہے کہ تمہارے گھروں سے اب سوگ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ہم نے تمہارے بچوں کو یتیم بنا کر خوشیاں ہمیشہ کے لئے چھین لی ہیں''(ایضاً ص ۳۵۸)

6۔ ''خدارا یروشلم کی مدد کرو۔خداوند یسوع کے مقدس شہر میں ابدی نجات کی راہیں کھلی ہیں۔آؤ ابدی نجات کے طلبگارو آؤ۔صلیب کی حفاظت کے لئے جانیں لڑادو۔عیسائیت کے دشمنوں کو فنا کردو''۔(ایضاً ص ۱۷۳)

امریکی مصنف 'رون ڈیوڈ' لکھتا ہے کہ ''ان تقریروں کے نتیجے میں مذہبی جذبات کے جوش میں اندھے ہوکر دانشور، رؤسا، سرکاری ذمے دار اور عام لوگ سب کے سب مل کر چلا اُٹھے، شاید خدا کی مرضی یہی ہے''۔ اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اسباب باندھنے شروع کر دیے۔ پوپ کی ہدایت پر ہزاروں افراد اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بڑے امیر خاندانوں کے بیٹے، جنہیں ورثے میں اپنے اپنے باپ کی زمینوں میں سے کچھ بھی نہ مل سکا تھا، (صلیبی جنگوں کے نتیجے میں) وہ بھی اپنے لئے (فلسطین کی) نئی جائیدادیں حاصل کرنے کے لئے خصوصی طور پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ 1094ء میں درباری امرا اور شہزادوں نے یروشلم کی طرف اپنا پہلا مارچ شروع کیا جس کی خاطر انہوں نے اپنے لمبے لباسوں پر سامنے کی طرف صلیبیں آویزاں کیں۔ آخرکار 1099ء میں یہ صلیبی، یروشلم پہنچ ہی گئے۔ مقدس شہر کی طرف پہنچ کر وہ خوشی سے اتنے دیوانے ہوئے کہ ان میں سے بیشتر لوگوں نے گھٹنوں کے بل پر جھک کر زمین کو بوسہ دیا اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چیخنے لگے 'یروشلم، یروشلم'۔ (قومیں جو دھوکہ دیتی رہیں۔ ترجمہ راقم۔ ص ۳۸)

ایک اور مغربی مصنّفہ لکھتی ہے: ''جون 1099ء کی صلیبی جنگ میں یورپ کے صلیبی مجاہد جب یروشلم کے گرد جمع ہوئے تو شہر مقدس پر پہلی نظر پڑتے ہی ان پر ایک سکتے کی کیفیت پیدا ہوگئی جو بعد میں آہستہ آہستہ مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف غیض وغضب میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے بعد تین دن تک یہ صلیبی، یروشلم میں منظّم قتل عام کرتے رہے جس میں تیس ہزار کے قریب شہریوں کو انہوں نے تہ تیغ کیا اور نظر آنے والے ہر ترک اور مسلمان کا سر قلم کیا۔ مسجد اقصیٰ کی چھت پر دس ہزار مسلمان پناہ لئے ہوئے تھے لیکن انہوں نے انہیں بھی چن چن کر قتل کیا۔ جو سپاہی یا افسر سب سے پہلے جس گھر میں داخل ہو جاتا، بلا شرکت غیرے وہ اس کا مالک ہو جاتا۔ تمام گلیاں خون سے لتھڑی ہوئی تھیں۔ (ایک شہر تین مذاہب۔ کیرن آرمسٹرانگ۔ ص ۴۳۰۔ تخلیقات، لاہور)

صلیبی لشکریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ وہ لوگ خدا کا منتخب گروہ ہیں اور خدا ہی نے انہیں یہ صلیبی جنگ لڑنے کیلئے تیار کیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کو انہوں نے اصطبل کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس میں اسلحہ اور سامانِ رسد بھی رکھنا شروع کر دیا تھا۔ (ایضاً ص۔ ۴۴۲)

اس جنگ میں بعض عیسائی اپنے ساتھ عورتوں کا جھنڈ بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ

موقع ملتے ہی ان سے تسکین حاصل کر سکیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی جنگ میں عیسائیوں کی شکست کی ایک وجہ ان کی یہ بیماری بھی تھی۔ (History of Sex and Customs by Lichord Lalaim بحوالہ کتاب ''اف یہ پادری''، از متین خالد)۔

صلیب کی یہ جنگیں کئی عشروں تک لڑی گئیں حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں ان عیسائیوں کو جنگی طور پر ہمیشہ کے لئے مغلوب کر لیا۔ ان جنگوں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا تھا اور بے انتہا دہشت گردی دکھائی تھی۔ بقول رون ڈیوڈ ''عرب اس سارے معاملے سے ششدر رہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر ان کا ایسا کون سا قصور ہے جس کے باعث سارے عیسائی ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں؟'' (قومیں جو دھوکہ دیتی رہیں۔ ترجمہ راقم۔ ص ۴۰)

علمی حملے

جنگوں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے اسلام کے خلاف علمی لحاظ سے بھی حملے شروع کر دیے اور جس طرح کے تمسخرانہ خاکے یہ حضرات آج تخلیق کر رہے ہیں، اسی طرح کی مضحکہ خیز چیزیں انہوں نے سترھویں صدی ہی سے شروع کر دی تھیں۔ مثلاً ایک مقام پر ان مستشرقین نے کہا کہ ''نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفید کبوتر پالا تھا جو ان کے کندھے پر بیٹھ کر کان سے دانہ نکال کر کھاتا تھا جس کا مقصد عام لوگوں کو یہ یقین دلانا ہوتا تھا کہ ایک فرشتہ کبوتر کی شکل میں محمد کو وحی پہنچا رہا ہے''۔ (کتاب ''اسلام اینڈ دی ویسٹ''۔ از فلپ کے حتی۔ ص ۵۴)۔

ایک اور مستشرق نکلسن نے قرآنِ پاک کے بارے میں لکھا کہ ''قرآن، انجیلوں کے مستر داور غیر مصدقہ مواد پر مبنی کتاب ہے''۔ (کتاب ''انٹروڈکشن ٹو کوران'' P x,xix)۔

ایک دوسرے مستشرق ''روڈلِنسن'' نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا کہ 'اگرچہ وہ ایک غیر مخلص انسان نہیں تھے لیکن قرآن کو سمجھنے میں انہیں غلطی ہوئی تھی'۔

قرآنِ پاک کا عیسائی مترجم J M Rodwell اپنے انگریزی ترجمے The Koran مطبوعہ 1909ء کے دیباچے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ 'جس انتہائی خفیہ انداز سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی ربیوں اور عیسائی دوستوں سے ہدایات وصول کیں، اس کے باعث

مکّے کے جاہل اور بے دین سرداروں کے سامنے انہیں یہ اعلان کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں رہی کہ ان کی زبان سے بیان کردہ قدیم داستانیں ان پر خدا نے وحی کی ہیں۔۔۔۔رفتہ رفتہ محمد کو بھی یقین ہوگیا کہ وہ اللہ ہی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ وہ طویل عرصے تک (نعوذ باللہ) خود فریبی میں مبتلا رہے۔ انہیں (حاشا وکلّا) مرگی کی بیماری تھی۔ اداسی خوشی، اور بے ہوشی وغیرہ کے باعث ان کے لئے خود کے بارے میں ''خدائی پیغمبر'' ہونے کا دعویٰ کرنا بہت آسان ہوگیا تھا۔ تاہم اصولوں اور کردار کی بعض اہم کمزوریوں کے باوجود انہوں نے عرب دنیا پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ایک ایسا کارنامہ جو دنیا میں شاید ہی کسی نے انجام دیا ہو۔ قرآن پاک میں غلامی، قتل، ظلم اور کثرتِ ازواج پر اصرار کیا گیا ہے۔ انسانیت کو ایک جھوٹا مذہب عطا کرنے پر محمد کو ہم کتنا ہی بڑا مجرم قرار دیں لیکن ان کی ذاتی نیکیوں کا بہرحال انکار نہیں کیا جاسکتا'۔

اسی طرح ایک اور نامور مستشرق 'ولیم میور' نے اپنی کتاب ''لائف آف محمد'' میں لکھا کہ نعوذ باللہ ''محمد کو اپنی وحی پر خود بھی کامل یقین نہیں تھا'' (مستشرقینِ مغرب کا اندازِ فکر۔ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی مرحوم کراچی۔ص ۲۱۴، ۲۱۸)۔ دوسری طرف مارٹن لوتھر نے امریکہ میں گذشتہ صدیوں کی اسلام دشمن تحریریں جمع کر کے ان کی ایک کتاب شائع کی۔ اس نے لکھا کہ ''شیطان، سراسین (صحرا نشین) اور ترک سب کے سب ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں''۔ اس نے اسلام کو اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیا اور کہا کہ عیسائیوں کے دشمن دو ہیں۔ ا۔ اندرونی طور پر پوپ اور ۲۔ بیرونی طور پر اسلام! (ایضاً ص ۱۴۹، ۲۰۲)

جب تک اسلام میدانِ جہاد میں عیسائیوں کے مدمقابل رہا اور ان پر غالب آتا رہا، مستشرقین کی زبان گندی اور مضحکہ خیز رہی۔ انہوں نے نبی ﷺ، قرآن اور اسلام کے لئے توہین آمیز زبان استعمال کی اور رکیک جملے استعمال کیے۔ ایک خیال یہ بھی پھیلایا گیا کہ مسلمان کچھ زیادہ ہی کافر Pagan ہیں کیونکہ وہ محمد (ﷺ) کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں قائم شدہ فورٹ ولیم کالج اور ایشیاٹک سوسائٹی کے پس پردہ بھی یہی مقاصد پوشیدہ تھے۔ بعد کے ادوار میں جب سیاسی طور پر اسلام میں اضمحلال چھانے لگا اور مسلمان ان سے مغلوب ہونے لگے، جو اٹھارھویں صدی کا دور تھا تو مستشرقین نے نسبتاً سنجیدگی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اب ان کے ہاں

اسلام کے اثرات کو محسوس کیا جانے لگا اور کڑوی بات میٹھی زبان میں کہی جانے لگی۔ تاہم چونکہ اسلام مضمحل اور پسپا ہو رہا تھا اور اقتدار ڈوب رہا تھا، اس لئے ان کی زبان میں آقائیت در آئی تھی۔ اسی لئے انیسویں صدی کی ان کی تحریریں احساسِ برتری سے پُر ہیں۔ البتہ جیسے جیسے سیاسی خطرہ کم ہوتا گیا، ان کی اسلام دشمنی کی شدت میں بھی کمی آنے لگی۔ پھر جب مغرب اسلام پر حاوی ہو گیا تو انہیں اسلام کو صحیح طور سے سمجھنے کی توفیق نصیب ہوئی اور اپنی تحریروں سے انہوں نے بے سروپا قصے خارج کرنے شروع کر دیے۔ تھامس کارلائل بھی اسی دور کے سمجھدار مصنفوں میں سے ایک ہے۔ یہ وہ پہلا دانشور ہے جس نے آپ ﷺ اور قرآنِ پاک کی تعریف کی اور پہلے سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کی تردید کی ہے۔ عیسائیت چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے موسوم مذہب ہے، اس لئے عیسائیوں نے اسلام کو بھی ایک ایسا ہی مذہب سمجھا اور اسلام کی بجائے اسے ''محمڈنزم'' کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ تاہم اب اکیسویں صدی میں جا کر عیسائیوں کا یہ رجحان ختم ہوا ہے۔

آج جو ہمیں آکسفورڈ، برمنگھم اور دیگر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں اسلامی شعبہ جات قائم ملتے ہیں، یہ دراصل عیسائیوں کی انہی مستشرقانہ کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ حدیثوں پر بھی ان دانشوروں کی زبانیں دراز رہی ہیں تاکہ اپنے لوگوں اور مسلم عوام کو احادیث کے بارے میں شکوک میں مبتلا کریں۔ مشہور مستشرقین گولڈزیہر اور اسپرنگر نے بتایا کہ عقائد اور رسوم و رواج میں تبدیلی کے لئے حسبِ ضرورت احادیث وضع کی گئیں اور ان کے الفاظ محمد سے منسوب کئے گئے۔ انہوں نے لکھا کہ قرآنی بحثوں میں جب بھی کوئی نزاع پیدا ہوا تو احادیث گھڑ کر بحثیں طے کی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے ذخیرے میں متضاد احادیث پائی جاتی ہیں۔ ایک اور مستشرق (Orientalist) ونکسن ڈی ورڈ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''مسلمانوں کا مبلّغ جب اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو خطبہ ختم ہونے تک اس کے ایک ہاتھ میں تلوار رہتی ہے یا پھر یہ تلوار کسی ایسے بلند مقام پر رکھی ہوتی ہے کہ وہ سب کی نظروں میں رہے تاکہ اسے دیکھ کر ہر شخص خوف زدہ رہے''۔ (مستشرقین کا اندازِ فکر۔ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی۔ ص ۱۸۹)

خلاصہ

مستشرقین کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ اور قرآنِ

پاک کو اپنے مذہب سے ہمیشہ حقیر سمجھا، اسی طرح جیسے یہودی قوم، عیسائیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی عبادات کو آج بھی حقیر گردانتی ہے۔ ان مفکرین نے دنیا پر تیزی سے چھا جانے والے اسلام کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ طعن وتشنیع کے ذریعے حقیر ہی کرنا چاہا۔ کوشش کی کہ اسلام کی اشاعت کسی بھی طرح رُک جائے۔ عیسائی دنیا کا آج بھی یہی حال ہے۔ وہ اسلام کو اب بھی ایک ایسا مذہب گردانتے ہیں جو دہشت گرد، اجڈ، اور جنگجو ہے۔

خوش قسمتی سے اکیسویں صدی میں اسلام ایک بار پھر اُبھرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس لئے عیسائی حکمرانوں اور اہلِ قلم نے اس کے خلاف اپنے ہتھیار ایک بار پھر تیز کر لئے ہیں۔ صلیبی جنگوں کا سلسلہ جو پہلے چلتا ہی رہتا تھا، غیر محسوس انداز میں ایک بار پھر جاری ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور اسریٰ نعمانی جیسی مبغوض شخصیتوں کو مکمل تحفظ دیتے اور اسلامی پردے اور خاندانی نظام کو بطورِ خاص نشانہ بناتے ہیں۔ مسلم خواتین کے چھوٹے سے نقاب کو تمام مغربی دنیا نے اپنے نشانۂ انتقام پر رکھا ہوا ہے جبکہ ہر داڑھی والے فرد کو وہ بیٹھے بٹھائے دہشت گرد پکار اٹھتے ہیں۔ چند سال پہلے جرمنی کی ایک عدالت میں ایک مکمل باحجاب مصری خاتون کو جج اور دیگر افراد کے سامنے چاقو مار مار کر ہلاک، جبکہ اس کے شوہر کو سخت زخمی کر دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود اسلام کی اشاعت نہ پہلے کبھی رُک سکی تھی اور نہ اب کوئی روک سکتا ہے۔ قبولِ اسلام کی رفتار اب خود یورپ اور امریکہ میں اس قدر تیز ہو گئی ہے کہ خود ان کے دانشور ومفکرین، عیسائی آبادی کے اقلیت میں تبدیل ہو جانے اور اپنے اکثر شہروں کے مسلم شہروں میں ڈھل جانے کا خوف محسوس کر رہے ہیں۔ کاش، ان عیسائیوں نے اسلام کو دشمنی کی بجائے سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی ہوتی۔ تب انہیں اندازہ ہوتا کہ یہ دین تو تمام انسانوں کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ اگر یہ اسلام کے سنہری اصول اور اخوت ومحبت کی ہدایات نہ ہوتیں تو اسپین اور اندلس میں عیسائی رعایا مسلم مجاہدوں کا از خود استقبال نہ کرتی۔ انہوں نے تب عیسائیت کے مقابلے میں اسلام ہی کو اپنے لئے باعثِ رحمت سمجھا تھا!۔

مسائلِ میراث اور
ہمارے اُجڑتے خاندان

(حصہ دہم)

حافظ مختار احمد گوندل

اسلامی اوقاف اور شرائط وقف

جیسا کہ گزشتہ قسط میں راقم السطور نے تحریر کیا ہے ''ہجرت مدینہ کے وقت آپ ﷺ نے سب سے پہلا وقف مسجد قبا کے لئے فرمایا، جس پر مسجد قبا تعمیر ہوئی۔ بعدازاں مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے مدینہ کے دو یتیم بچوں سے زمین خرید کر وقف کی بنا ڈالی۔ پھر سات باغ آپ ﷺ نے وقف فرمائے۔'' حضرت عثمان بن وثابؒ سے مروی ہے کہ وہ سات باغ یہ تھے: الاَعــــواف، الصافیه (الصانقه)، الدلال، المثیب، برقة، حسنی، مشربه اُمّ اِبراهیمؒ (آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کی والدہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اس باغ میں قیام فرما تھیں)۔

مُخیریق رضی اللہ عنہ امیر ترین آدمی تھا۔ آنحضرت ﷺ سے اس کی انتہائی عقیدت تھی اور اس کے باغات کی ساری آمدنی آپ ﷺ کے لیے تھی۔ آپ ﷺ نے ان باغات کو اپنے قبضہ میں رکھا، پھر وقف فرما دیے۔ یعنی ریاست مدینہ کا آغاز اسلامی اوقاف سے ہوا۔ آپ ﷺ نے خود بھی اپنی زمینیں وقف فرمائیں اور اپنے صحابہؓ کو بھی اس کی ترغیب دی۔ خصوصاً مالِ فے جو دشمن سے لڑائی کئے بغیر حاصل ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے ہی خاص ہوتا۔ آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں دیں۔ مدینہ منورہ سے تین منزل پر ایک باغِ فدک جس کی نصف زمین بطورِ مالِ فے رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی جو کہ بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت آپ ﷺ کو اللہ نے عطا فرمایا۔ جہاد میں مال

غنیمت سے حضور ﷺ کا پانچواں حصہ اور رسول پاک ﷺ اس زمین کی آمدنی میں سے اپنی اور اپنے اہل وعیال، ازواجِ مطہرات کی ضروریات پر صرف فرماتے اور تمام بنی ہاشم کو بھی اسی آمدنی سے عطا فرماتے، مہمانوں کی ضیافت اور بادشاہوں کے سفراء کی مہمان نوازی، حاجت مند غرباء و مساکین کی امداد، جہاد کے لئے اسلحہ، مجاہدین کی امداد اور اصحاب صفہؓ کی خبر گیری فرماتے۔ صدقہ کے مال سے حضور ﷺ کچھ نہیں لیتے تھے، فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے تین وصایا تھے: بنو نضیر، خیبر اور باغِ فدک۔ (بخاری)

خیبر کی زمین رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کو نصف پیداوار لینے کے معاہدہ پر دے رکھی تھی۔ دو حصے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ایک حصہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال پر خرچ فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمام قطعات کی آمدنی اور دیگر ذرائع سے آمدنی کو آپ ﷺ نے اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ فرما دیتے جو آپ ﷺ کے بعد بیت المال میں شامل ہوگئیں اور اہل بیت کا گذر اوقات بیت المال کے وظائف سے ہی ہوتا رہا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں اپنی آمدنی کو جن مخصوص مدوں میں خرچ فرماتے رہے، خلفائے اربعہ ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں مدّات میں خرچ کیا۔ آنے والے ادوار میں پھر ہر حکمران ان اوقاف میں اضافہ ہی کرتا چلا گیا۔ صرف برعظیم پاک و ہند کے اوقاف کا شمار بھی ایک دشوار امر ہے۔ جبکہ عالم اسلام کے اوقاف کے اعداد و شمار کے لئے تو OIC جیسے ادارہ کی ضرورت ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس بات کی بھی تعلیم دی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ (22:51)

''اور تمھاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے''۔

انسانی معاشی زندگی کا انحصار وسائل و ذرائع پر ہے۔ خوشحال و باوقار زندگی گزارنے کے لئے وسائل کے حصول کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اکلِ حلال دینی فریضہ ہے۔ مال و دولت کا حصول اسلامی معاشرہ کی ناگزیر ضرورت ہے۔ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں معاشی طور پر فلاح و فارغ البالی کو فضلِ الٰہی قرار دیا گیا ہے اور کبھی بھی فقر و فاقہ کو ممدوح قرار نہیں دیا گیا۔

گو رزقِ حلال کمانا نیکی ہے لیکن صدق وامانت اور ایفائے عہد جیسے اَوصافِ حمیدہ سے اسے مزین کرنا، حلال وحرام کو ہمیشہ مدنظر رکھنا، ناجائز طور پر کسی دوسرے کے منہ سے نوالہ چھیننے سے باز رہنا، خالق ومالک پر توکل رکھنا، فارغ البالی کے باوجود اپنی ذات پر محتاط انداز سے خرچ کرنا اور ضرورت سے زائد اَموال کو مفاداتِ عامہ کے لئے فی سبیل اللہ وقف کر دینا اللہ جلّ شانہ کے ہاں بہت بڑی نیکی ہے۔ البتہ محنت کی مناسبت سے اس کے ثمرات بھی ہوا کرتے ہیں اور ترقی وخوشحالی کے لئے تو بہت زیادہ محنت درکار ہوا کرتی ہے۔ اسلامی قیادت سے بہرہ مند شخصیات کے لئے سبق آموز یہ واقعہ سنن ابوداؤد میں مروی ہے: کسی نے آنحضور ﷺ کے ذریعہ معاش کے بارے حضرت بلالؓ سے سوال کیا؟ فرمایا: کہ میں حضور ﷺ کا وزیر خزانہ تھا، جب کوئی مہمان آتا، کپڑوں کی ضرورت ہوتی، کھانے کی ضرورت ہوتی، کسی چیز کی ضرورت ہوتی، آنحضور ﷺ مجھے حکم فرماتے۔ میں کسی سے قرض لیتا اور حاجت مند کی حاجت پوری ہو جاتی، ایک دن ایک یہودی مجھے ملا، کہنے لگا کہ تمہیں ہر ماہ قرض لینا پڑتا ہے، تم مجھ سے قرض لے لیا کرو اور پرواہ نہ کیا کرو، میں نے کہا شکریہ۔ چنانچہ آنحضور ﷺ ارشاد فرماتے تو میں اس کے پاس قرض کے لئے پہنچ جاتا، ابھی مہینہ ختم ہونے میں کوئی تین چار دن باقی تھے۔ میں اذان کے لئے وضو کر رہا تھا، اتنے میں وہ یہودی آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے، مجھے کہنے لگا او حبشی غلام! مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا یہی کوئی دو چار دن۔ کہنے لگا اگر مہینہ ختم ہونے پر میرا قرض ادا نہ کیا تو تجھے بیچ دونگا اور اسی طرح اونٹ جا کر چرائے گا جیسے پہلے چرایا کرتا تھا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مجھے شدید صدمہ ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ یہودی جس سے میں قرض لیتا ہوں، اسے کوئی ادب، لحاظ نہیں، اس نے مجھے ایسا کہا ہے، اگر حضور ﷺ اجازت دیں تو میں اتنی دیر کے لئے باہر چلا جاؤں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے کوئی انتظام فرما دیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا (آنحضور ﷺ کے اس تکیہ کلام 'بہت اچھا' پر مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا۔ کبھی آنحضور ﷺ نے کسی کو نہیں ٹوکا۔ کیسی عجیب ہستی تھی!) فرمایا: میں نے اپنی تلوار، اپنی ڈھال اور اپنے جوتے سرہانے رکھ لیے اور صبح صادق کا انتظار کرنے لگا۔ ذرا روشنی ہو جائے تو جاؤں۔ اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آنحضور ﷺ تجھے یاد فرماتے ہیں۔ حاضر خدمت

ہوا، آنحضور ﷺ کے در دولت پر چار لدی ہوئی اونٹنیاں بیٹھی تھیں۔ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرض کا انتظام فرما دیا ہے یہ غلے سے لدی ہوئی اونٹنیاں ہیں' فلاں صاحب نے مجھے بھیجی ہیں' جاؤ اپنا قرض ادا کرو' یہ تیری ہیں۔ میں بہت خوش ہوا۔ آنحضور ﷺ نے نماز فجر پڑھی۔ میں نے ان اونٹنیوں اور جوان پر اسباب تھا اسے بیچا اور اس یہودی کا قرض ادا کیا اور بھی جتنے قرض تھے سب ادا کئے اور حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا تمام بوجھ ادا کر دیا ہے۔ فرمایا: کچھ بچا بھی ہے؟ عرض کیا حضور ﷺ! ابھی تو کچھ بھی خرچ نہیں ہوا' بہت کچھ ابھی باقی ہے۔ فرمایا: میں مسجد سے اس وقت گھر جاؤں گا جب تم اسے خرچ کر دو گے، میں نے کہا: حضور! اتنی جلدی تو خرچ نہیں ہوسکتا، فرمایا: پھر میں بھی گھر نہیں جاؤں گا' رات اسی مسجد میں گزاروں گا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، دوسرے دن میں نے اسے نمٹایا اور آنحضور ﷺ کو اطلاع دی کہ یا رسول اللہ! وہ سارا مال خرچ ہو گیا ہے' ٹھکانے لگ گیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ! ۔آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں تشریف لے جا کر سلام کہا۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اللہ کی میراث مومن کی میراث ہے اور وقف ''درحقیقت مالک ہر شئے خدا است'' کے عقیدہ کا عملی ثبوت ہے، جو وقف کے لئے ناگزیر ہے۔ قانون وشریعت میں وقف ایک قانونی واعتباری شخصیت (Corporate body) ہے۔ بنیادی طور پر تبرع (چندہ/جائیداد) وقف کی ملکیت بنتا ہے اس کے انتظام وانصرام کے لئے واقف کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق جو شرط عائد کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ بسا اوقات شرط لگانے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً وقف علی الاولاد کے بارے میں اگر تولیت کے سلسلہ میں کوئی شرط نہیں لگائی تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو متولی کا تعین کرنا پڑے گا۔ واقف کی طرف سے شرائط دراصل وقف کے وہ مقاصد ہیں جن کا پورا ہونا وقف کے مقتضیات میں سے ہے تاکہ وہ فوائد حاصل ہوں جو مطلق وقف سے حاصل نہیں ہوتے' شرط الواقف کنص الشارع' کا یہی وہ پس منظر ہے لیکن ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں گو اعتراض پایا جاتا ہے مگر ان کے جانشین علامہ ابن قیّم یہ اشکال اس طرح رفع فرماتے ہیں کہ ان شرائط میں مزاج شریعت کی پاسداری واحترام بھی ضروری ہے ایسی شرائط جو مقتضائے وقف کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا (ترمذی) ''مسلمان اپنی شرائط پر ہیں۔ سوائے ایسی شرط کے جس میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کیا جائے''۔

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقف جس میں انہوں نے شرط لگائی کہ متولی خود یا اس کا دوست مناسب حد تک اس وقف سے لے سکتے ہیں لیکن ذخیرہ اندوزی یا تموّل ممنوع ہے۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں (مالِ غنیمت سے) کچھ زمین ملی، تو انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! خیبر میں مجھے مال ملا ہے اس سے زیادہ عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا۔ (اس کے بارے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اسے (پیداوار کو) صدقہ کر دو، تو عمرؓ نے اسے اس طرح سے صدقہ کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ کسی کو وراثت میں دی جائے، اور اسے فقیروں میں، رشتہ داروں میں، غلام آزاد کرنے میں، اللہ کے راستے (جہاد) میں، مسافروں میں اور مہمانوں میں خرچ کیا جائے اور جو اس کا والی (نگران) ہو اس کے لیے اس میں سے معروف طریقے سے کھانے اور دوست کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ وہ اس میں سے ذخیرہ اندوزی کرنے والا نہ ہو۔ (ترمذی)

ابوبکر احمد بن عمرو الشیبانی المعروف بالخصاف رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے کئی واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ نے بھی اپنے وقف میں یہ شرط لگائی تھی: وأن للمردودة من بناته ان تسكن غير مضرة و لا مضر بها فاذا استغنت بزوج فلا حق لها ''میری بیٹیوں میں سے جو بیوہ یا مطلّقہ ہو جائے وہ اس موقوفہ گھر میں رہ سکتی ہے۔ نہ وہ کسی کو ضرر پہنچائے نہ اسے ضرر پہنچایا جائے، جب اس کا نکاح ہو جائے تو اب اس کا اس گھر میں کوئی حق نہیں رہے گا۔''

حضرت ابو جعفر تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مال مسجد میں پانی پلانے کے لئے وقف فرمایا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک گھر خرید کر وقف فرمایا اور وقف نامہ میں تحریر کیا کہ اس میں فلاں کی اولاد کو رہنے کا حق ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی نہ رہے تو یہ گھر آلِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ آئے گا۔ اب ظاہر ہے مسجد میں آنے والوں کے لئے وقف پانی بازاروں میں تو استعمال نہیں ہو سکتا، کیونکہ واقف نے جو وقف کا مصرف متعیّن کیا ہے اس میں تبدیلی ایک گناہ ہوگا۔

اقسامِ شرائط

1) مقتضائے وقف کے منافی شرائط۔ایسی شرائط جو خود وقف کو باطل کر دیں۔

☆ گھر کو اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ واقف جب چاہے اسے باطل کر سکتا ہے۔

☆ محدود مدت کے لئے مثلاً واقف وقت کی قید لگا دے کی یہ دس سال کے لئے وقف ہے۔

☆ یہ شرط لگا دے کہ وہ جب چاہے اپنے وقف کو واپس لے سکتا ہے، بیچ سکتا ہے یا ہبہ کر سکتا ہے۔

تاہم بعض ائمہ کے نزدیک ایسی شروط باطل ہیں اور استحسان یہ ہے کہ ان شروط سے وقف باطل نہیں ہوگا کیونکہ وہ سب قیاسی ہیں۔مثلاً واقف اپنے وقف کے بیچنے کی شرط کے ساتھ یہ وضاحت نہیں کرتا کہ اس رقم کا دوبارہ مصرف کیا ہوگا یعنی کسی دوسرے وقف پر یا اپنی کسی ذاتی ضرورت پر اگر دوبارہ نیت بھی وقف کی ہو تو شرط اور وقف دونوں صحیح ہوں گے۔ بہرحال ایسی شرائط نہ لگائی جائیں جن سے وقف کے باطل ہونے کا احتمال ہو۔نیز اس کا انحصار ان عقود پر بھی ہے کہ کونسے عقود شرط باطل / فاسد سے باطل ہو جاتے ہیں، کونسے باطل نہیں ہوتے اور کونسے معلق ہو جاتے ہیں۔ایک فیصلہ کن امر یہ ہے کہ قاضی وقت کو شریعت کی روشنی میں وقف کے ان متنازعہ امور میں اجتہادی حق قائم رہتا ہے۔

2) شریعت / مصلحت کے منافی شرائط

واقف کی طرف سے ایسی شرائط جو یا تو شریعت کے خلاف ہیں یا مصلحت وقف و موقوف علیہم کے خلاف یا وقف سے فائدہ حاصل کرنے میں خلل کا باعث ہو۔فقہاء کے نزدیک ایسی شرائط جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور نہ ہی وقف کی مصلحت ہو قابل قبول نہیں۔ یعنی شریعت / مصلحت کے وہ خلاف ہوں تو غیر معتبر ہیں۔مثلاً ایک گھر وقف کرنے کے بعد مکین پر شرط لگا دی کہ وہ پانچوں نمازیں اسی گھر میں ادا کرے گا یا وہ میری قبر پر آ کر نماز پڑھے گا، مسجد میں نہیں پڑھے گا۔اس میں ترک جماعت کے ساتھ ساتھ شرک کا بھی حکم ہے جس پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی۔اسی طرح غیر شرعی کاموں کے لئے وقف کیا۔وغیرہ

3) شریعت / مصلحت / مقتضائے وقف کے عین مطابق

فقہ کا یہ ضابطہ معروف ہے: شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع

(ردّالمحتار) ''واقف کی وہی شرائط معتبر ہوں گی جو شریعت کے مخالف نہ ہوں''۔یعنی واقف اپنے مال کا مالک ہے۔اسے اختیار ہے کہ وہ جہت قربت میں سے جس پر چاہے وقف کرے اور وقف کے مصارف کا تعین کرے اگروہ معصیت نہ ہوں۔اس سے یہ نہیں پوچھا جاسکتا کہ فلاں کے لئے وقف کیا اور فلاں کے لئے کیوں نہ وقف کیا؟

تاہم شرائط وقف کی تعمیل اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ شریعت اور وقف کے مفاد کے خلاف نہ ہوں یہاں تک کہ کوئی جائیداد غیر مسلم فقراء کے لیے وقف ہوتو اس وقف کی آمدنی غیر مسلم فقراء پر ہی خرچ ہوگی۔اسی طرح وقف کرتے وقت واقف نے یہ شرط لگائی کہ اس وقف کی آمدنی سے پہلے میں اپنا قرض اتاروں گا یا یہ کہا کہ میرے انتقال کے بعد اگر مجھ پر کوئی قرض باقی ہوتو اس وقف کی آمدنی سے اتارا جائے، یہ اشتراط لنفسہ کی قبیل سے ہےاور جائز شرط ہے۔(ردّالمحتار)

واقف اپنے کیے ہوئے وقف سے اس طرح نفع اٹھا سکتا ہے کہ اپنی کل جائداد مخصوص کارخیر میں وقف کرےاور کہے کہ جب تک میں خود زندہ ہوں اس کا متولی میں خود رہوں گا اور اس کی اس قدر آمدنی گذراوقات کے لئے اپنے تصرف میں لاؤں گا اور باقی اس مخصوص کارخیر پر خرچ ہوگی، وقف نامہ میں تحریر کرے کہ اس کی موت کے بعد اس کا متولی فلاں شخص ہوگا اور اس پر گواہ بھی بنادے تو اس طرح یہ وقف اور اس کا مصرف درست ہوگا۔

وقف معلّق یعنی واقف نے اپنی موت کے بعد ہی کل جائداد کے وقف کی شرط عائد کی تو یہ واقف کی وصیت ہوگی جو صرف ثلثِ ترکہ میں نافذ ہوگی اور دوثلث کی تقسیم قانون وراثت کے مطابق ہوگی۔

واقف نے ایک شرط لگائی کہ وقف کی آمدنی کا اتنا حصہ حج کرانے پر، اتنا حصہ کفارات پر اور اتنا حصہ فقراء پر وغیرہ ایسی جائز شرائط پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف کی آمدنی اور وقف کی تولیت واقف اپنے پاس رکھنے کی شرط بھی عائد کرسکتا ہے۔وجاز جعل غلة الوقف او الولاية لنفسه (الدرالمختار)

واقف کی طرف سے شرطِ استبدال،یعنی اس وقف کو بیچ کر اس کی جگہ دوسری جگہ خرید لینا بھی جائز ہے۔لیکن اگر مسجد کے لئے جگہ دی ہوتو اسے تبدیل نہیں کیا (باقی برصفحہ 55)

آیئے علامہ اقبال کے پیغام کو عام کریں

ابوفیصل محمد منظور انور

مسلمانانِ پاکستان کے لیے 9 نومبر کا دن اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ مفکّر ومصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال کا یومِ پیدائش ہے اوراس دن علامہ اقبال کی فکر کو عام کرنے اور تعلیمات کو یاد رکھنے کے لیے برسوں سے سرکاری اداروں میں 'یومِ اقبال' کے نام سے تعطیل عام ہوتی رہی ہے۔ مگر صد افسوس کہ پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کی سابقہ حکومت نے مفکر پاکستان کے یوم پیدائش کے سلسلے میں ہونے والی تعطیل عام کو ختم کر دیا۔ نظریۂ پاکستان کے خالق، شاعرِ مشرق اور عظیم فلسفی کے دن کو شایانِ شان طریقے سے منانے کی بجائے اس روز کی چھٹی کو بھی ختم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ بتائی گئی جس پر ملک کے سنجیدہ حلقوں، دانشوروں، ادیبوں، وکلاء، طلباء و طالبات سمیت دیگر کئی مذہبی وسیاسی رہنماؤں کی جانب سے شدید عوامی ردّعمل بھی سامنے آیا مگر حکومت آئیں بائیں شائیں کرتی رہی۔ دراصل ایک سازش کے تحت پہلے مفکر پاکستان کی انقلابی شاعری کو نصاب سے مکمل خارج کرنے کی کوشش کی گئی لیکن شدید عوامی ردّعمل ہونے کے خدشات کے باعث ایسا نہ ہوسکا اور فکر اقبال کا کچھ حصہ ابھی تک نصاب تعلیم میں شامل ہے اور ہماری نوجوان نسل اس سے کسی حد تک مستفیض ہو رہی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری میں مسلمان نوجوانوں کو خودی کو بلند کرنے اور شاہینی صفات سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا ہے جبکہ شکوہ وجواب شکوہ نظموں میں اُمت مسلمہ کو جھنجوڑا اور بیدار کیا

گیا ہے۔علامہ اقبال مسلم نوجوان میں اپنے اسلاف ایسے اوصاف حمیدہ دیکھنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔اپنی طلوعِ اسلام نظم جوایک صدی قبل لکھی گئی میں فرماتے ہیں ۔

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی!

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا زور حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ!

یہی وجہ ہے کہ عالمی استعماری قوتیں شاعر مشرق کی انقلابی شاعری کی مخالفت میں سرگرداں رہی ہیں وہ مسلم نوجوانوں میں اقبال کے فلسفہ خودی، جہاد وحریت کا جذبہ بیدار ہونے سے خائف ہیں۔ایک عظیم لیڈر، اہم عالمی شخصیت کے پیغام اورکلام سے اپنی نوجوان نسل کو بے خبر رکھنا ناصرف پاکستانیوں بلکہ امت مسلمہ کی آئندہ نسلوں کے لئے نظریاتی موت کے مترادف ہے۔ان کے کلام سے تو اقوام عالم بھی مستفید ہورہی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے پیغام کو روکنا کسی کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ہمارے شاہین صفت نوجوان کوتہذیب مغرب کی تجلی نے خیرہ کر دیا ہے اور وہ ذہنی طور پر مغرب کی چکا چوند ترقی سے مغلوب ومتاثر نظر آتا ہے مگر علامہ نے تو ایک صدی قبل خبردار کر دیا تھا وہ فرماتے ہیں

نہ ڈھونڈ اس چیز کوتہذیب حاضر کی تجلی میں کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

اقبال نے مغرب کی تہذیب وثقافت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔انھوں اپنے کلام میں مسلم نوجوان کو جو پیغام دیا ہے اسے تو عام کرنے کی ضرورت تھی مگر ہماری سابقہ حکومتوں نے اس پیغام سے ناصرف پہلوتہی کی بلکہ سرے سے اقبال کو بیگانہ کرنے کی روش اپنائی۔اس میں کوئی شک نہیں کی ہماری حکومتیں اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر مغربی ممالک کی خوشنودی اوران کے دباؤ کی وجہ سے ایسا کرتی رہی ہیں۔علامہ اقبال کہتے ہیں

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب مغرب کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اقبال بھی ان اکابر میں شامل تھے، جنھوں نے اپنی شاعری میں اپنے کاروانِ گم شدہ کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دئے جو بیداریٔ ملت کے لئے لازم وملزوم تھے انھوں نے عجم سے ایک چنگاری توضرور مستعار لی، لیکن اُسے اپنی ہی خاکسترِ دل میں اس انداز سے فروغ دیا کہ جب وہ شعلہ بن کر چمکی تو اُس کے نور سے نہ صرف شاعر کی اپنی روح جگمگا اُٹھی بلکہ وہ آفاق بھی پُر انوار

ہوگئے۔ اقبال کی شعلہ نوائی مشرقی شاعری میں آپ ہی اپنی مثال ہے۔ وہ بیک وقت اس سوز کی بھی حامل ہے جو دل کو گداز بخشتا ہے اور اس روشنی کی بھی امین ہے جو حقیقت کا جلوہ دکھاتی اور صداقت کا راستہ صاف کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا دل خود ایک پارۂ نور ہے کہ ہر لحظہ اُس نور الانوار سے کہ زبانِ قرآن میں نورُ السّماوات والارض ہے، کسب ضیاء کرتا اور پھر اس ضیاء کو اس انداز سے منتشر کرتا ہے کہ خنکی اور ظلمت ایک دوسرے کا تعاقب کرتی ہوئی ابد کی پہنائیوں میں گم ہوجاتی ہیں۔ اقبال کے ایوانِ شاعری میں سُرودِ خودی کی گونج ہے۔ زمانہ آج بھی اُسے شاعر خودی کے نام سے پہچانتا ہے اور آج سے صدیوں بعد بھی اُس کے شاعرانہ تصورات میں تصورِ خودی ہی کو اوّلیت کا شرف حاصل رہے گا اُن میں مردِ مؤمن کا تصوّر ایک دوامی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دونوں حقائق مسلّم ہیں اور ان کے ثبات و قیام میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن شاید اس بات پر بہت کم غور کیا گیا ہے کہ اُس کی شاعری کا وہ کون سا عنصر اور اُس کے سخن کی وہ کون سی کیفیت ہے، جس نے اس کے سراپائے فن میں زندگی کی روح پھونکی ہے۔

غیر ملکی شعرا اپنی اقوام میں جان پیدا کرتے ہیں ملٹن، بائرن، شیکسپیئر وغیرہ نے اپنی قوم کی بے بہا خدمت کی ہے کارلائل نے شیکسپیئر کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز کا ذکر کیا ہے اسے جب شیکسپیئر اور دولت برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں شیکسپیئر کو کسی قیمت پر نہیں جانے دوں گا گو میرے پاس سلطنت نہیں ہے لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں سلطنت کی بجائے اقبال کو منتخب کروں گا۔

اقبال بارے قائداعظم فرماتے ہیں کہ اقبال کی ادبی شخصیت عالمگیر ہے وہ بڑے ادیب اور بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاستدان بھی تھے مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے بہترین شارح تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں اقبال سے بہتر کسی نے اسلام کو نہیں سمجھا۔ مجھے اس امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع مجھے مل چکا ہے میں نے ان سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔ یہ ہے وہ اقبال جس کی عظمت کا اعتراف مغرب بھی کرتا ہے مگر ایک ہم ہیں کہ

اس کے پیغام کو عام کرنے کی بجائے اسے بھولنے بھلانے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں قومی سطح پر علامہ اقبال مرحوم کے یوم پیدائش کو شایان شان طریقے سے نہ منانا ایک قومی المیہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں افکار اقبال سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق دے۔ تخلیق پاکستان کی اہم شخصیات ان عوامی رہنماؤں کی آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لئے برسوں پر محیط کوششوں اور گراں قدر خدمات کو فراموش کرنا ہماری آئندہ نسلوں پر ظلم و زیادتی کے مترادف ہے۔ مگر شاعر مشرق کی شاعری کو نظر انداز کرنا یا بھلا دینا کسی کے بس کی بات نہیں ہے لگتا ہے کہ سابقہ مسلم لیگی حکومت نے شاعر مشرق کے پیغام کو سرے سے مٹانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا یہ اس قادر مطلق کے فیصلے ہیں کہ وہ نادیدہ مغربی قوتیں جو اقبال کے فلسفہ خودی کی مخالف ہیں جن کی تمام تر شرائط کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تھا وہ خود اپنی ایجنٹ اور چہیتی حکومت کو بچا نہ سکی پاکستانی قوم نے اغیار کی پالیسیاں اپنانے والوں کو بالآخر اقتدار سے بے دخل کر کے حوالہ زنداں کر دیا۔

کیا ہی اچھا ہو تحریک انصاف کی موجودہ حکومت جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ریاست مدینہ کی طرز پر بنانے کی دعویدار ہے اس روز کی تعطیل کرے اور یومِ اقبال کو بڑے ہی تزک احتشام اور عقیدت و احترام کے ساتھ منانے کا اعلان کرے۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں اقبالیات پر مبنی کردار سازی کے مقابلے منعقد کروائے جائیں تاکہ اپنے مستقبل سے بے نیاز ہمارا نوجوان جو آج مغربی تہذیب و تمدن کا رسیا بن کر رہ گیا ہے اور مغرب کی تقلید میں ذلت و گمراہی کی دلدل کے گڑھے میں گرنے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے اسے علامہ اقبال کی عطا کردہ منزل کا نشان راہ مل جائے اور وہ ایک سچا پکا شاہین صفت، مرد مجاہد، بطل حریت اور اپنے اسلاف کی تعلیمات کا پیکر مسلمان بن کر سامنے آئے۔ چونکہ اسلام دشمن طاقتیں ہماری نوجوان نسل کو ایسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے آراستہ ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتیں جس پر عمل پیرا ہو کر وہ ایک سچا اور کھرا عمل صالح کا پیکر باکردار مسلمان نوجوان بن جائے اور اسلامی روح کے مطابق دنیا میں اپنا قائدانہ رول ادا کر سکے جس کی طرف شاعر مشرق نے توجہ دلائی ہے اس لئے وہ ہماری نسلوں کو اپنے عظیم رہنماؤں کی تعلیمات سے بے بہرہ ہی رکھنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں موجودہ حکومت چند روزہ اقتدار کی خاطر اغیار کی طرف سے ٹھونسی جانے والی ایسی تعلیمی پالیسیاں اپنانے سے گریز کرے جس سے

ہمارے قومی رہنماؤں کے عطا کردہ رہنما اصولوں سے لاتعلق رکھ کر انھیں ایک لبرل اور سیکولر معاشرے کا دلدادہ بنا دیا جائے سابقہ حکومتیں اقبال کے اسلامی نظریاتی انقلابی پیغام کو عام کرنے کی بجائے غیر ملکی اشاروں پر صرف لارڈ میکالے کے طرز تعلیم کو ہی اپنا کر اپنے اقتدار کو طول بخشنے کی کوششوں میں مصروف رہی ہیں رہی سہی کسر سابقہ حکومت نے نکال دی تھی۔ شعبہ تعلیم میں ترقی کے تو بڑے دعوے کئے جاتے رہے مگر نصاب تعلیم میں قومی رہنماؤں کے پیغامات کو زیادہ اہمیت دے کر عام کرنے اور ان کے ناموں سے منسوب ایام کو شاندار طریقے سے منانے کی بجائے سرے سے انھیں نظر انداز کرنے کی پالیسیاں اپنائی گئیں سابقہ حکومت قائداعظم محمد علی جناح کے خاندان کی گوشہ نشینی کی طرح علامہ اقبال اور ان کے خاندان کو بھی فراموش کرنا چاہتی تھی۔

9 نومبر 1977ء میں راقم شعبہ تعلیم سے وابستہ تھا تو اس وقت علامہ اقبال کے صد سالہ یوم پیدائش کے سلسلے میں ملکی سطح پر جو تقریبات منعقد ہوئیں اور علامہ اقبال کو جو مثالی خراجِ تحسین اس وقت پیش کیا گیا تھا بعد ازاں اس کی کوئی مثال سامنے نہ آئی۔ بدقسمتی سے بعد کے سالوں میں وہ دیکھنے کو نہ ملا شاید ہماری حکومتوں کی ترجیحات کچھ اور تھیں موجودہ حکومت کے بڑے اپنی تقاریر میں علامہ اقبال کے فرمودات کے حوالے پیش کرنے سے نہیں تھکتے دکھائی دیتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ یومِ اقبال کو شایانِ شان طریقے سے منائیں اور ان کی شاعری سے اپنے نوجوانوں کو روشناس کرائیں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس قومی شاعر کے فلسفہ خودی، مردِ مومن کو سمجھ کر اپنا کر تعمیر ملک وملت میں اپنا صحیح کردار ادا کرسکیں۔ اقبال کہتے ہیں

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم ﷺ
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کامیابی کا صرف ایک راستہ

انجینئر محمد رشید عمر

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور، 2018ء، شمارہ 35)

''مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے''۔ ہمارے دانشور یورپ کی ترقی وخوشحالی اور برتری کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب سے یورپی اقوام نے مذہب کا قلادہ گلوں سے اتارا ہے ان کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے راستے کھلے ہیں اور ان کی خوشحالی نے ان ممالک کو جنت ارضی بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہمارے لوگ کچھ معاملات میں مذہب پر چلتے ہیں لیکن جن کے ہاتھوں میں اقتدار واختیار ہے اور جو ہمارے پالیسی ساز ادارے ہیں مذہب ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ وہ جو چاہیں کرتے ہیں پھر ہم کیوں ترقی اور خوشحالی سے محروم ہیں؟ معاملہ یہ ہے کہ کلمہ کے اقرار نے ہمیں اللہ کے ساتھ ایک عہد میں باندھ دیا ہے ہم اس عہد کو باندھتے بھی ہیں توڑتے بھی ہیں اور توڑتے اس لیے ہیں کہ دنیاوی مفادات حاصل ہو جائیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو قابل قبول نہیں۔ وہ مقتدر ہستی ہے۔ دنیا حاصل کرنے کے لیے اس کے عہد کو توڑتے ہیں تو وہ ہمیں مفاد حاصل نہیں ہونے دیتا۔ وہ ہماری عقلیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو بگاڑ دیتا ہے۔ ہمیں اختلافات کا شکار کر دیتا ہے، ہماری معیشت دگرگوں کر دیتا ہے۔ بے امنی اور خوف کے حالات ہم پر مسلّط کر دیتا ہے لہٰذا خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃ کا معاملہ ہو جاتا ہے اور جن سے یا جن کی مدد سے ہم مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ہم پر اعتماد نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ایک قدم آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو دس

قدم پیچھے چلے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یورپ ہم سے سینکڑوں سال آگے ہے۔ ان سے ترقی و خوشحالی میں آگے نکلنا تو دور کی بات ہے برابری کرنا بھی ممکن نہیں ہے تو پھر کیا ہم مذہب کو خیر باد کہہ دیں، اللہ کے عہد کو توڑ دیں اس لیے کہ جن کی مدد سے ہم مفادات حاصل کرنا چاہ رہے ہیں وہ اس سے کم پر راضی ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب تک ہم ان کو راضی نہ کریں گے وہ ہم پر اعتماد نہیں کریں گے۔ ہم کلمہ سے انکار کر دیں، مذہب کو دیس نکالا دے دیں، وہ ہمیں گلے سے لگالیں گے اور ہمارے لیے بھی دنیا میں ترقی اور خوشحالی کے دروازے کھل جائیں گے۔

رہا معاملہ آخرت کا تو اس کو بھول جائیں۔ اسے کس نے دیکھا ہے۔ اگر کوئی آخرت کا معاملہ ہے بھی تو وہاں بھی ان ہی کی آؤ بھگت ہوگی جن کے دنیا میں وارے نیارے ہیں۔ کیا ہم ترقی وخوشحالی کی یہ قیمت دے سکتے ہیں؟ جدید مغربی تہذیب کے اصولوں کے مطابق...... اگر ہم یہ قیمت ادا کرسکیں تو یقین جانئے جس طرح یہود ونصاریٰ کو ڈھیل ملی ہوئی ہے ہمیں بھی دنیا میں ڈھیل مل جائے گی اور ہم بھی ان کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چل سکیں گے۔ ہماری یہ صورت کہ کچھ مذہب پر چلتے ہیں کچھ دوسروں کے طریقوں پر چلتے ہیں۔ یہ صورت حال کبھی بھی ہمیں کامیابی سے ہم کنار نہیں کرسکتی ہے۔ جدید مغربی تہذیب کے اصولوں کے مطابق ...... اگر ہمیں دنیا میں ترقی اور خوشحالی مطلوب ہے ہمیں لازماً مذہب کو دیس نکالا دینا ہوگا اور آخرت کی فکر چھوڑنا ہوگی اور سیکولر شریعت پر عمل کرنا ہوگا جس کے معنی آکسفورڈ ڈکشنری میں یہ ہیں:

secularism

1. The view that religion and religious considerations should be deliberately omitted from temporal affairs',spec. (philosophy) a system of thought based on the doctrine that morality should be determined solely with regards to the well - being of humankind in the present life, to the exclusion of all considerations drawn from belief in God or in a future existence.

2. the view that education, esp. That which is publically funded , should not promote religious

belief or include religious instruction.

(REFERENCE; OXFORD DICTIONARY 2007 EDITION)

لیکن ہم یہ جیتے جی نہیں کر سکتے۔ بعث بعد الموت تو ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا کی خوشحالی اور ترقی کے لیے یہ قیمت ہم نہیں دے سکتے۔ پھر کون سا امکان باقی ہے۔ کہ آخرت بھی ہاتھ سے نہ جائے اور دنیا بھی مل جائے۔ وہ صرف ایک ہی امکان ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ وہ راستہ یہ ہے۔ ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾ (البقرہ:208) پوری زندگی میں پورے اسلام کی پیروی پورے مسلمان بن کر ہم دنیا میں مقتدر قوتوں کے اعتماد کی بجائے زمین و آسمان کی مقتدر قوت یعنی اللہ بادشاہ کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کے ہاتھوں میں ہمارے دل و دماغ، کان اور آنکھیں ہیں۔ اسی کے پاس تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں جو وہ ہمارے ہاتھوں میں دے دے گا۔ اور ہم ان خزانوں کو دنیا اور آخرت کے سنوارنے کے لیے کام میں لا سکیں گے۔ اگر ہم نے موجودہ صورت حال کو ترک نہ کیا تو پھر ﴿خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَة کی تصویر بن کر مٹ جائیں گے۔

بقیہ از مسائل میراث اور......

جائے گا، اس لئے کہ ایک دفعہ جہاں مسجد تعمیر ہو جائے تو وہ جگہ دائمی طور پر مسجد کے لئے ہی وقف ہو گی۔ سب سے پہلے مسجد کی عمارت کو مقدم رکھا جائے گا اور ضروری تعمیر کے بعد پھر عمارت کے مصالح اور ارباب شعائر (ملازمین جو وقف کا جزو لاینفک ہوں) میں سے جو اہم ہو، اسے احسن طریقہ سے الاہم فالاہم (priority setting) کے اصول پر انجام دیا جائے گا۔ کیونکہ واقف کا مقصود یہ ہوا کرتا ہے کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ وقف کا ثواب ملتا رہے۔ دائمی طور پر نقود (Rupee) کا وقف بھی درست ہے۔ (جاری ہے)

سوشل میڈیا ایمان کا دشمن ہے

حافظ ثاقب نذر
جھنگ شہر

ہم کون ہیں؟ مسلمان۔۔ ہمارا دین کیا ہے؟ اسلام۔۔ ہمارا ربّ کون ہے؟ اللہ۔۔ ہمارے رسول کون ہیں؟ حضرت محمد ﷺ۔۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ یہ وہ چند جملے ہیں جو کہ ہم اپنے بچوں کو سکھاتے اور یاد کرواتے ہیں۔ بچپن میں ہم نے بھی یاد کیے تھے، مگر اب بھول چکے ہیں۔ جب تک زبان سے یاد رکھنے کا وقت تھا ہم نے یاد رکھا اور جب عملی لحاظ سے یاد رکھنے کا وقت آیا تو ہم نے بھلا دیا۔ آج بھی ہم اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔ مگر عملی طور پر ہم اپنی اس بات سے ہٹ گئے ہیں۔ جب بھی کوئی ناموس رسالت ﷺ کی بات ہوتی ہے تو ہر کوئی باہر نکلتا ہے اپنی اپنی زبان میں حضرت محمد ﷺ سے عشق کا اظہار کرتا ہے۔ مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ باتیں صرف زبان تک ہی محدود ہیں اس کا عملی مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی لڑکی کو پسند کرنے لگتا ہے تو اس کی عادات اپنانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے، اس کا وقت اپناتا ہے مگر افسوس ہے اس بات پر کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کی عادات کے خلاف صبح دیر سے اُٹھتے ہیں، شلوار ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے، ظاہری شکل بھی حضور ﷺ کی جیسی نہیں کرتے، داڑھی منڈا دیتے ہیں اور نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ نماز پانچوں وقت کی فرض ہے تو آہستہ آہستہ نماز سے دور ہو رہے ہیں۔ اب تو نماز چھوٹ رہی ہے اور کوئی

کرکٹ میچ (ورلڈ کپ، ایشیا کپ وغیرہ) تو کوئی سوشل میڈیا کے دلدل میں دھنسا چلا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ سوشل میڈیا پر ACTIVE نظر آتے ہیں۔ چاہے صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، بیمار ہو یا تندرست، سوشل میڈیا کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ موبائل، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور TAB غرض ہر چیز میں انٹرنیٹ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اس کی اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ نے دنیا کو آپس میں جوڑ تو دیا مگر اس کے خطرناک اثرات بھی سامنے آ رہے ہیں۔ آئے روز خودکشیاں ہو رہی ہیں۔ بچے جو کہ 5th یا 7th کلاس میں پڑھتے ہیں وہ بھی پیار کے چکر میں خودکشیاں کر رہے ہیں۔

آج جس کو دیکھو وہ گردن جھکا کر جا رہا ہے اس وجہ سے نہیں کہ قرآن مجید نے مومنین کو نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے بلکہ موبائل ہاتھ میں پکڑے جا رہا ہے میسجز، وٹس ایپ، فیس بک، انسٹا گرام، ٹویٹر غرض سوشل میڈیا کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ FAKE آئی ڈیز پہ آج کیا کچھ ہو رہا ہے۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ افسوس کہ جن جانوں نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کرنا تھا وہ فیس بک میں ذلیل ہو رہی ہیں۔ جن زبانوں نے قرآن مجید کی تلاوت کرنی تھی وہ وٹس ایپ پر بے ہودگی بک رہی ہیں۔ جن آنکھوں نے اللہ کے دین کا نفاذ دیکھنا تھا وہ انٹرنیٹ پر فحاشی میں گم ہو رہی ہیں۔ ہم بھی اسی بخار میں شدت سے مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہمارا جسم بیمار ہوتا ہے تو فوراً ڈاکٹر سے دوا لینے دوڑتے ہیں لیکن آج ضمیر بیمار ہے تو کسی کو ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں۔

مزید برآں ہم اپنے اپنے ایمان تک داؤ پر لگا چکے ہیں۔ فیس بک یا وٹس ایپ پر کوئی PICTURE اَپ لوڈ ہوتی ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ LIKE یا SHARE کر کے مسلمان ہونے کا ثبوت دو اور اگر غیر مسلم یا شیطان ہو تو IGNORE کر دو۔ ہمارا ایمان بس ان ہی چیزوں میں رہ گیا ہے؟ خانہ کعبہ کے لیے LIKE کرو، مسجد نبوی ﷺ کے لیے COMMENTS کرو، دونوں کے لیے SHARE کرو۔ آج ہم اپنا ایمان ایک CLICK پر لے آئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کئی بار جھوٹی افواہیں اُڑائی گئی تھیں کہ دس لوگوں کو شیئر کرو تو خوشی ملے گی ورنہ نقصان ہو گا۔ کیا ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خوف نہیں؟ کیا انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان نہیں سنا: اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (متفق علیہ)(بے شک مجھ جھوٹ بولنا کسی اور پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے۔ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)

اس حدیث مبارکہ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ یہ تو ہم نے اپنے ایمان کا لیول بنالیا ہے۔ کیا یہ وہی بات نہیں جو بنی اسرائیل نے تو اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ''۔ آج ہم بھی یہی روش اختیار کر چکے ہیں کہ بس میں اپنے ایمان کا ثبوت انٹرنیٹ پر ہی دوں۔ REAL میں کچھ کرنا نہ پڑے۔ ایک جگہ لکھا تھا کہ شکر ہے یہ قوم جنگ آزادی کے وقت نہیں تھی اگر اُس وقت ہوتی تو کہتی: ''انگریز نے ہمارے ملک پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس بات کو اتنا شیئر کرو کہ انگریز یہ ملک چھوڑ کر بھاگ جائے۔''

جب تک مسلمان عملی زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت تک مسلمان ایک بہترین نمونہ تھا اور آج ہم دکھاوے کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ عمل کرو گے تو کچھ بن پاؤ گے، نہ کہ صرف شیئر کر کے۔ آج کل سوشل میڈیا پر ایک تصویر اپ لوڈ ہوتی ہے اور ساتھ لکھا جاتا ہے ''یہ وہ خبیث شخص ہے جس نے گستاخی کی ہے۔'' اس پر لعنت کر کے شیئر کریں اتنا شیئر کریں کہ حکومت تنگ آ کر اس پر پابندی لگا دے۔ بھئی! اب یہ کیسا مطالبہ ہے؟ بات تو یہی ہوئی کہ ہم نے کرنا کچھ نہیں ہے بس شیئر کرتے جاؤ۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کھڑے نہیں ہونا بس شیئر کر کر کے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے جاؤ۔ عجیب عوام ہے کہ جس طرف لگاؤ چل پڑتی ہے۔ اپنی عقل سے نہ کچھ سوچتی ہے اور نہ ہی کچھ سمجھتی ہے۔ سوشل میڈیا پر آئے دن کچھ نہ کچھ جاری رہتا ہے۔ مجھے تو خوف ہے کہ ایک وقت آئے گا جب مؤرخ لکھے گا کہ ایک بے وقوف قوم تھی اُس کو جدھر لگاؤ لگ جاتی تھی۔ ہم اپنی صراط مستقیم سے ہٹ چکے ہیں ہمارا صراط کیا تھا؟ بس منہ اُٹھائے چلے جارہے ہیں یہ سوچ کر کہ میں سیدھا جارہا ہوں۔ دوسروں پر انگلی اُٹھانا آسان ہے اور ہم دوسروں پر انگلی اُٹھاتے ہیں اور ہم خود کیا کر رہے ہیں اس کا ہم کو خود بھی اندازہ نہیں ہوتا اور اگر کوئی ہماری اصلاح کر دے تو ناراض ہو کر منہ پھلا کر بیٹھ جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری)

''مسلمان وہ شخص ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اسی سے اندازہ لگالیں کہ کسی کے بارے میں حسد، غیبت، چغلی، جاسوسی، لعن طعن، طعنہ زنی یا گالی گلوچ وغیرہ کا شکار تو نہیں؟ زبان تو آج کل ایسی چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ۔ لوگوں کو طعنے دینے کے نہیں کتراتے۔ زبان سے جو زخم لگتا ہے وہ بہت گہرا ہوتا ہے اس کو مندمل ہونے میں بہت وقت گزر جاتا ہے۔ اسی لیے تو ایک عربی شاعر نے کہا تھا:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

تیر کا تلوار کا گھاؤ تو بھرا
جو لگا زباں سے وہ رہا ہمیشہ ہرا

ہم برا کہہ رہے ہیں دوسروں کو کہ وہ دھوکہ دیتے ہیں اور فراڈ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر آج ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو اپنی اپنی جگہ پر چھوٹے لوگ بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی نوٹ پھٹا پرانا ہو کوئی بھی نہ لیتا ہو تو اس کو پیسوں میں چھپا کر دے دیتے ہیں اور پھر ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے وہ پھٹا ہوا نوٹ چلا لیا۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟ (حالانکہ ہر بینک میں لکھا ہوتا ہے ''پھٹے پرانے نوٹ یہاں تبدیل کیے جاتے ہیں۔'') آج پھل یا سبزی لینے بازار جاتے ہیں تو اچھی اچھی سبزی ڈالتے ہیں لیکن جب گھر آتے ہیں تو اس میں خراب پھل یا سبزی ہوتی ہے۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟ ہم خود ہی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

ہماری پڑھائی انگریزی ہے ہمارا سلیبس انگریز کا تیار کردہ ہے۔ لباس انگریزوں والا، رہن سہن یہودیوں سے مشابہ، اچھے مستقبل کے لیے یورپ اور امریکا جاتے ہیں۔ ساری زندگی غیر مسلم کی سی گزارتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہماری آخرت اچھی ہو، ہمارا انجام نیک لوگوں کا سا ہو، جنۃ البقیع میں دفن ہوں، نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے؟ نہیں۔ قرآن مجید کو پڑھے مدت گزر جاتی ہیں۔ جس طرح زندگی گزاریں گے اسی طرح کا انجام ہوگا۔ ہمیں خود اپنے بارے میں سوچنا ہوگا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہم دنیا میں کیوں آئے ہیں؟۔

زیر سرپرستی
پیر غلام حبیب نقشبندی
پیر عبدالرحمن
شیخ طریقت
جانشینِ مرشدِ عالم صاحبزادہ پیر عبدالرحیم نقشبندی مجددی
خانقاہِ حبیبیہ نقشبندیہ
دارالعلوم حنفیہ
چکوال
کے قیام کا
66 واں
سالانہ سہ روزہ
روحانی
تربیتی
نقشبندی
اجتماع
مبارک
جمعرات
جمعہ
فارغ التحصیل
طلباء کی
2018
17 18 19 اکتوبر
صاحبزادہ پیر محمد محسن نقشبندی
خدام خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ
چکوال ● پاکستان
(0543)
541570

اُردو تحریک عالمی برطانیہ کی ماہانہ ادبی محفل کی مختصر روداد

نصیر احمد بٹ ناصؔر کے ساتھ ایک شام

روداد: عمیر زبیر (لندن)

تلخیص: حافظ عطاء الرحمٰن

27 جولائی 2018ء بروز جمعہ سکول آف اورئینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز (SOAS) لندن میں اردو تحریک عالمی برطانیہ کے زیرِ اہتمام برطانیہ کے نامور اردو پنجابی شاعر جناب نصیر احمد بٹ ناصؔر کے تازہ پنجابی مجموعۂ کلام 'دکھاں دا پراگا' کی تقریبِ پذیرائی کے موقع پر ان کے ساتھ ایک بھرپور ادبی شام منائی گئی۔ اس محفل کی نظامت کے فرائض علامہ محمد فیاض عادؔل فاروقی کے ذمہ لگائے گئے۔ اجلاس کی کارروائی تلاوتِ کلامِ مجید سے شروع کی گئی۔

جنابِ نصیر احمد بٹ ناصؔر کے تعارف میں جناب فیاض عادؔل فاروقی نے بتایا کہ ان کا پہلا مجموعۂ غزلیات 'خزاں کے پھول' 2009ء میں، دوسرا مجموعۂ کلام 'کربِ حیات' 2013ء میں اور تیسرا مجموعۂ کلام 'دکھاں دا پراگا' 2018ء میں شائع ہوا ہے۔ موصوف جس طرح ایک کامیاب، فطری اور بلند پایہ شاعر ہیں اسی طرح ایک بہت اچھے انسان اور باعمل مسلمان بھی ہیں۔ آپ گفتار کے ساتھ کردار کے غازی بھی ہیں۔

چودھری محبوب احمد محبوؔب نے موصوف کی ادبی خدمات پر ایک مبسوط مقالہ پیش کیا اور ان کے پنجابی کلام میں سے چند اشعار پیش کئے

چڑھیا سورج ڈھل جاندا اے\
سِر تے آیا ٹل جاندا اے

گلیاں دے وچ رُلدا رُلدا
بال غریب دا پل جاندا اے

اجڑی اجڑی پیار دی وستی، کلھیاں بہہ بہہ روندے لوک
ڈردے ڈردے اندراں دے وچ کنڈیاں مار کے سوندے لوک
ننگے پنڈے، ننگے پیر تے سِر تے چھت اسماناں دی
خوش حالی دے سپنے ویکھن فٹ پاتھاں تے سوندے لوک

تیرے اندر لوبھ دی اگ اے
باہروں کدھروں بم نئیں آوندا
عملاں دا سب کھیل ہے ناصؔر
چم کسے دے کم نئیں آوندا
پیار دے دشمن گھاتاں دے وچ
لہندیوں چڑھدے ،چڑھدیوں لہندے

جناب کامران رعدؔ نے موصوف کے اردو اشعار کے چند نمونے پیش کئے

کب تلک لٹتے رہو گے رہزنوں کے ہاتھ سے
کشتیٔ ملت کا اُن کو ناخدا کس نے کیا
لُوٹنے والے تو لوٹیں گے خیامِ کربلا
دیکھنا یہ ہے سپردِ کربلا کس نے کیا
علم کی میراث پر غیروں نے قبضہ کر لیا
ہم محبت کی اٹھائے داستاں پھرتے رہے
یہ ہوتا اب بھی مسجودِ ملائک
تنزل پر اگر انساں نہ ہوتا
یہ دنیا امن کا گہوارہ ہوتی
اگر رہبر بڑا شیطاں نہ ہوتا

اردو تحریک عالمی کی طرف سے جناب نصیر احمد بٹ ناصؔر کو ایک روپہلی شیلڈ میں 'سپاس نامہ' پیش کیا جس میں کہا گیا کہ 'ناصؔر ایک رقیق القلب انسان ہیں اور یہی صفت ان کے کلام میں بدرجہٗ اَتم نظر آتی ہے۔' جناب ناصؔر بٹ صاحب نے 'کلامِ شاعر بزبانِ شاعر' سنا کر حصہٗ نثر کی تکمیل فرمائی۔

مرعوب ہیں جو تازہ خداؤں کو دیکھ کر
دیں گے حساب کیسے جفاؤں کو دیکھ کر
ناصؔر اذان سنتے ہی سجدے میں گر گیا
آخر قبول ہوتی دعاؤں کو دیکھ کر

استادِ اردو جناب پروفیسر عقیل دانشؔ نے کلامِ ناصؔر پر اپنے تأثرات کا یوں اظہار فرمایا۔

ہے سچ سے ان کا رابطہ، حالات کچھ بھی ہوں
جو بات کرتے ہیں، وہ ہے ان کے ضمیر کی
ہر لفظ ان کا دل میں اترتا ہے برملا
یہ شاعری ہے دوستو ناصؔر نصیر کی

اس محفل کے دوسرے یعنی شعری حصے میں، جس کے دوران نمازِ مغرب کا وقفہ بھی دیا گیا، شعراء وشاعرات نے کلام سنایا اور جناب سلمان سعود نے ترنم سے کلامِ اقبالؔ پیش کیا۔ شرکاء کی تواضع برطانیہ کے مشہور 'انبالہ سویٹ سنٹر' کے سموسوں اور چائے بسکٹ سے کی گئی اور رات بھیگنے تک اس محفل کا سحر برقرار رہا۔ چند چیدہ اشعار بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں۔

ناظمِ مشاعرہ جناب عادلؔ فاروقی

لوگ کیوں چپ ہیں خطائیں دیکھ کر　　لب نہ کھولیں کج ادائیں دیکھ کر
تُند سی پاگل ہوائیں دیکھ کر　　حوصلہ پھر جگمگانے کا ہوا
تیری یہ اجلی قبائیں دیکھ کر　　کیسے بھولوں تیری خون آشامیاں

اردو تحریک عالمی برطانیہ کی صدر محترمہ قمر مرتضٰی قریشی

غم میں اب آنسو بہانا چھوڑ دے　　چل دیئے وہ دل میں رہ کر چار دن

تُو قمرؔ ہے روشنی کر چار سُو   اپنا ہی آنگن سجانا چھوڑ دے

ڈاکٹر صوفیہ سطوتؔ

دعا کو ہاتھ اٹھے ہیں بصد ادب یا رب   لگن کو فاصلے کیسے، مسافتیں کیسی
ہر ایک عیب کو اوروں میں کیوں تلاش کریں   کبھی تو دیکھیں ہم اپنی ہیں عادتیں کیسی

فرزانہ فرحتؔ

مَیں اک حسین خواب کے منظر میں قید ہوں   یعنی جمالِ نور کی چادر میں قید ہوں
اپنی اداسیوں میں بھی مَیں مطمئن سی تھی   ان چاہتوں کا درد کمانے سے پیشتر

سہیل ضرار خلشؔ

رہزن سے ہے نہ راہ کے پتھر سے خوف ہے   اِس قافلے کو اپنے ہی رہبر سے خوف ہے
بھنورا چمن میں ڈولتا پھرتا ہے سو بسو   کلیوں کو پھر بہار کے منظر سے خوف ہے

کامران رعدؔ نے حالیہ انتخابات میں 'نیا پاکستان' کے نعرے کے تناظر میں خوبصورت اشعار کہے۔ یاد رہے کہ 25 جولائی کو عام انتخابات میں آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ سابق کرکٹر عمران خان کی تحریکِ انصاف کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

شرابِ مغرب کے آبگینے، حبابِ لذت کے آب پارے
یہ چند گھڑیوں کے آسرے ہیں، یہ چند لمحوں کے ہیں سہارے
نہ ایسے پلٹے گی تیری قسمت، نہ یوں 'نیا آسماں' بنے گا
ادھار بادل، ادھار سورج، کہیں کا چندا، کہیں کے تارے
کرید مت میرے زخم ساتھی، سنا نہ عہدِ کہن کے نغمے
اگرچہ صدیوں کی راکھ ہے یہ، ابھی ہیں پوشیدہ کچھ شرارے

فرمودۂ اقبال

مسلماں شرمسار از بے کلاہی است
کہ دینش مُرد و فقرش خانقاہی است
تو دانی در جہاں میراثِ ما چیست
گلیمے از قماشِ پادشاہی است!

مسلمان دنیا میں محکوم (اور بے وقعت) ہونے کی وجہ سے شرمندہ ہے۔ کیونکہ اس کا دین مردہ ہے اور اس کا فقر خانقاہی ہے۔ تو جانتا ہے کہ دنیا میں ہمارا وِرثہ کیا ہے؟ بادشاہی مال و متاع سے حاصل کی گئی ایک گدڑی (کمبل) ہے

قائداعظم کی 11/اگست 1947ء کی مشہور اور متنازعہ تقریر پر لکھی گئی کتاب کا تعارف

In 2005, Saleema Karim raised controversy when she proved that a famous quote of M.A Jinnah used in Chief Justice Munir's "From Jinnah to Zia (1979)" was a fake. In this much-anticipated sequel to Secular Jinnah (2005), the author provides an in-depth analysis of the Munir quote and its extraordinary influence over those who argue for a 'secular Jinnah'. Containing independent and original research collected over five years, her book presents a compelling case for a Jinnah who was neither a secular nor a religionist, nor even a product of secular-Islam synthesis.

حمدِ باری تعالیٰ

مولانا حسن رضا خاں بریلوی
بریلی شریف (انڈیا)

ہے پاک رتبہ فکر سے اس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا

غش آ گیا کلیم سے مشتاق دید کو
جلوہ بھی بے نیاز ہے اس بے نیاز کا

ہر شے سے ہیں عیاں مرے صانع کی صنعتیں
عالم سب آئینوں میں ہے آئینہ ساز کا

افلاک و ارض سب ترے فرماں پذیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا

اس بیکسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گئی
شہرہ سنا جو رحمت بیکس نواز کا

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجازؐ کا

کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا

(بشکریہ ماہنامہ پرواز، لندن، ستمبر 2018ء)

ماھنامہ
حِکمت بالغہ
جھنگ

8000 سال کی عالمی تاریخ کے بہاؤ میں آج انسانیت جس کرب، دُکھ، احساسِ محرومی اور انسانیت کُش جنگوں کے سائے میں کھڑی ہے، اس سانحہ کا سہرا ایک خود غرض، وحی بیزار، خدابیزار اور انسان دشمن گروہ کے سر ہے۔ سیّدنا اِمام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے فرامین کے مطابق اس گروہ کا زوال (BEGINNING OF END) شروع ہو چکا ہے۔

وسائلِ رزق پر قبضہ
اور
ارتکازِ دولت کے
شیطانی طریقے
بنی اسرائیل،
یاجوج ماجوج
کا گٹھ جوڑ

ماہنامہ حکمت بالغہ کی 12 ویں خصوصی اشاعت
ان شاءاللہ یکم نومبر کو دستیاب ہوگی

یہ خصوصی اشاعت (350 صفحات) مفت حاصل کرنے کے لیے
ماہنامہ حکمت بالغہ کے تاحیات ممبر بنیں یا سالانہ خریدار بنیں

(ادارہ)